

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

خلفائے راشدین

دارالاشاعت کراچی

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

جلد اول

حصہ اول

تاریخ اسلام، اسماء الرجال اور ذخیرہ احادیث کی گرانقدر کتابوں سے ماخوذ مستند حوالہ جات پر مبنی صحابہ کرام
نیز مشہور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ کے مفصل حالات زندگی پر سب سے جامع کتاب

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالمصنفین

اردو بازار ایم ای جٹ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 292 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے ❁

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ سبیلہ کراچی
بیت المکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت التعمیر مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۴ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نا بھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ نئی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ رنجہ بازار اوپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبہ المعارف محلہ جنسی۔ پشاور

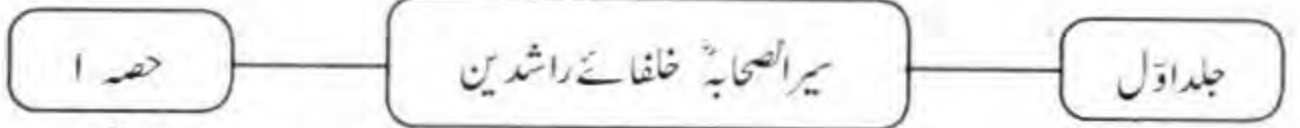
❁ انگلینڈ میں ملنے کے پتے ❁

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd
Cooks Road, London E15 2PW

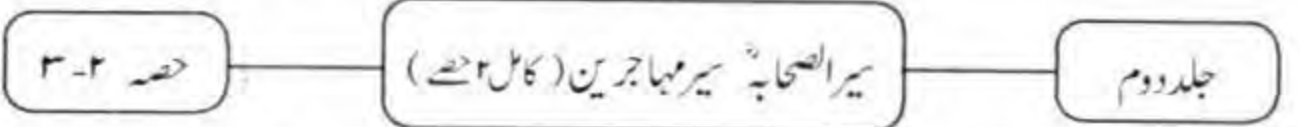
ترتیب حصص

سیر الصحابہؓ (کامل)



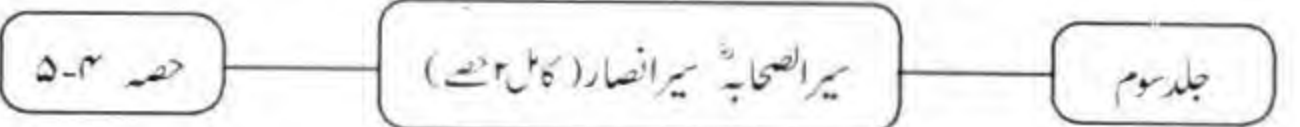
اس جلد میں سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت علی المرتضیٰ کے مکمل حالات، مستند حوالہ جات کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں اور ان کی عظیم الشان علمی، دینی، سیاسی و انتظامی خدمات اور ان کے دور حکومت پر سیر بحث کی گئی ہے۔

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم



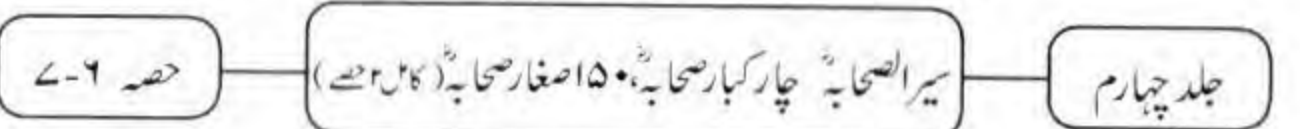
اس جلد کے دونوں حصوں میں ان جلیل القدر مہاجر صحابہ کرامؓ کے مفصل سوانح زندگی تحریر کئے گئے ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور اپنے گھریبا کی قربانی دے کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم



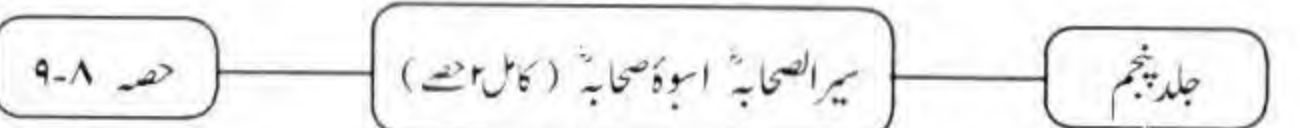
اس جلد کے دونوں حصوں میں ان جلیل القدر انصار اور خلفائے انصار صحابہ کرامؓ کے مفصل سوانح زندگی بیان کئے گئے ہیں جنہوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر رحمت عالم کی نصرت و حمایت کا فریضہ انجام دیا۔

تحریر و ترتیب: جناب مولانا سعید انصاری صاحب رفیق دارالمصنفین



حضرت حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مفصل سوانح زندگی۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے یا صغیر السن ۱۵۰ حضرات صحابہؓ کے حالات کا مرقع

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم



اس جلد کے دونوں حصوں میں صحابہ کرامؓ کی پوری حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ کھینچا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ صحابہ

کرامت کے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، حسن معاشرت اور طرز معاشرت کا انداز کیا کچھ تھا؟ نیز صحابہ کرام کی سیاسی، مذہبی، علمی خدمات کی پوری تفصیل اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا حال مکمل بیان کیا گیا ہے۔

تحریر و ترتیب: مولانا عبدالسلام صاحب ندوی مرحوم

جلد ششم

سیر الصحابہؓ سیر الصحابیات، اسوۃ صحابیات، اہل کتاب صحابہؓ

حصہ ۱۰-۱۱-۱۲

ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اکابر صحابیات کے سوانح حیات۔

صحابیات کے مذہبی، علمی، معاشرتی اور اخلاقی واقعات، عظیم دینی خدمات اور صحابیات کا اسوۃ حسنہ۔

۱۹۳ اہل کتاب صحابہؓ و صحابیات اور تابعین و تابعات کے سوانح اور کارنامے۔

تحریر و ترتیب: جناب مولانا سعید انصاری صاحب رفیق دارالمصنفین (حصہ دہم)

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی مرحوم (حصہ یازدہم)

جناب مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب (حصہ دوازدہم)

جلد ہفتم

سیر الصحابہؓ تابعین کرام

حصہ ۷

۹۶ مشہور اکابر تابعین کرام کے مفصل حالات زندگی علمی و دینی خدمات اور ان کا اسوۃ حسنہ۔

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

مقدمہ و تقریظ: نواب صدربار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن شیروانی

جلد ہشتم

سیر الصحابہؓ تبع تابعین اول

حصہ ۸

اس جلد میں انیس جلیل القدر تبع تابعین کے جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف کے نامور آئمہ کرام بھی شامل ہیں۔ مفصل حالات زندگی بیان کر کے ان کی علمی خدمات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

تحریر و ترتیب: مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب

جلد نهم

سیر الصحابہؓ تبع تابعین دوم

حصہ ۹

اس جلد میں مزید چوبتر ۷۴ جلیل القدر تبع تابعین کرام کے حالات و سوانح حیات درج کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف، جہاد و معاشرت کے میدانوں میں اہم دینی خدمات انجام دیں۔

تحریر و ترتیب: جناب ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشاریہ

سیر الصحابہؓ (کامل) حصے ۱۵ جلد ۹ جلد مجلد

اسمائے گرامی صحابہؓ و تابعینؓ و تبع تابعینؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
			الف
۱۷	خلفائے راشدین	۱	حضرت ابو بکر صدیقؓ
۳۱۳	مہاجرین اول	۲	حضرت ابو حذیفہؓ
۳۰۷	// //	۲	حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ
۱۲۲	// //	۲	حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ
۲۲۷	// //	۲	حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
۲۸۲	// //	۲	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ
۸۵۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت آنسہ (ابو مسروح)ؓ
۵۶۰	// //	۲	حضرت ابان بن سعید بن العاصؓ
۲۸۹	// //	۲	حضرت ابن ام مکتومؓ
۵۲۸	// //	۲	حضرت ابو احمد بن جحشؓ
۵۹۹	// //	۲	حضرت ابو بردہ اشعریؓ
۵۴۲	// //	۲	حضرت ابو بزرہ اسلمیؓ
۵۸۶	// //	۲	حضرت ابو ذر غفاریؓ
۵۱۰	// //	۲	حضرت ابو رافعؓ
۵۹۹	// //	۲	حضرت ابو رہم اشعریؓ
۵۵۶	// //	۲	حضرت ابو رہم غفاریؓ
۵۸۳	// //	۲	حضرت ابو سبرہ بن ابو رہمؓ
۵۹۶	// //	۲	حضرت ابوسنان بن مخصنؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۵۶۹	مہاجرین دوم	۲	حضرت ابو قیسہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۸	" "	۲	حضرت ابو قیس بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۹	" "	۲	حضرت ابو کبشہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۱	" "	۲	حضرت ابو مرثد غنوی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۱	" "	۲	حضرت ابو ہریرہ دوسی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۶	" "	۲	حضرت اربد بن حمیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۱۱	" "	۲	حضرت اسامہ بن زید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۲	" "	۲	حضرت اسود بن نوفل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۰۹	انصار اول	۳	حضرت ابو ایوب انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۱۹	" "	۳	حضرت انس بن نضیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۲۱	" "	۳	حضرت انس بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۳۱	" "	۳	حضرت ابی بن کعب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۶۱	" "	۳	حضرت ابو طلحہ انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۷۱	" "	۳	حضرت ابو الدرداء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۸۵	" "	۳	حضرت ابو سعید خدری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۹۳	" "	۳	حضرت ابو مسعود بدری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۹۵	" "	۳	حضرت ابو قتادہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۰۱	" "	۳	حضرت اسید بن حضیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۰۷	" "	۳	حضرت ابو دجانہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۰۹	" "	۳	حضرت ابو ایسر کعب بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۱۱	" "	۳	حضرت ابو لبابہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۱۵	" "	۳	حضرت ابو الہیثم بن التیہان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۱۹	" "	۳	حضرت اسعد بن زرارہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۲۳	" "	۳	حضرت ابو قیس صرمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۲۷	" "	۳	حضرت ابو حمیدی ساعدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۲۹	" "	۳	حضرت اصیرم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۱	" "	۳	حضرت ابو زید عمرو بن الخطاب <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۳۳	انصار اول	۳	حضرت ابو عمرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۵	" "	۳	حضرت اوس بن خولی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۷	" "	۳	حضرت ابو عبس بن جبر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۹	" "	۳	حضرت ابو زید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۴۱	" "	۳	حضرت ابو اسید ساعدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۵۱	انصار دوم	۳	حضرت ابو بردہ بن نیار <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۵	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت امیر معاویہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۵۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ابن ابی اوفی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۰	" "	۴	حضرت اسماء بن حارثہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۱	" "	۴	حضرت اسیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۲	" "	۴	حضرت اسود بن سریع <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۳	" "	۴	حضرت اقرع بن حابس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۵	" "	۴	حضرت امراؤ القیس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۶	" "	۴	حضرت انیس بن ابی مرثد غنوی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۷	" "	۴	حضرت اہبان بن صفی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۷	" "	۴	حضرت ایمن بن خرمیم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۵۹	" "	۴	حضرت ابو امامہ باہلی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۲	" "	۴	حضرت ابو بصیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۳	" "	۴	حضرت ابو بکرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۰	" "	۴	حضرت ابو جہم بن حذیفہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۷	" "	۴	حضرت ابو جندل بن سہیل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۹	" "	۴	حضرت ابو ثعلبہ شنی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۰	" "	۴	حضرت ابو رفاع عدوی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۱	" "	۴	حضرت ابو سفیان بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۵	" "	۴	حضرت ابو سفیان بن حرب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۸۲	" "	۴	حضرت ابو شریح <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۸۸	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ابو العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۹۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ابو عامر اشعری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۳	// //	۴	حضرت ابو عسیب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۳	// //	۴	حضرت ابو عمرو بن حفص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۴	// //	۴	حضرت ابو مالک اشعری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۵	// //	۴	حضرت ابو مجن ثقفی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۶	// //	۴	حضرت ابو مخذوم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۸	// //	۴	حضرت ابو واقد لیشی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۷	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت ابرہہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۹	// //	۶	حضرت ادریس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۹	// //	۶	حضرت اسید بن سعید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۰	// //	۶	حضرت اسید بن عبید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۱	// //	۶	حضرت اسد بن کعب القرظی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۲	// //	۶	حضرت اسید بن کعب القرظی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۲	// //	۶	حضرت اشرف حبشی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۲	// //	۶	حضرت ابو سعید بن وہب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۳	// //	۶	حضرت ابو مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۳	// //	۶	ایک یہودی غلام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۵	// //	۶	حضرت ادیم تغلمی رحمۃ اللہ علیہ
۴۳۶	// //	۶	حضرت ارمی بن النجاشی رحمۃ اللہ علیہ
۴۳۶	// //	۶	حضرت اصغ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ
	// //	۶	حضرت اصمہ نجاشی شاہ حبشہ رحمۃ اللہ علیہ
	سیر الصحابہ ۱۱۳ تابعین	۷	حضرت ابراہیم بن یزید تمیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷	// //	۷	حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳	// //	۷	حضرت اخف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ
۳۳	// //	۷	حضرت اسماعیل بن ابی خالد حمسی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵	// //	۷	حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ
۳۷	// //	۷	حضرت اعمش (سلیمان بن مہران) رحمۃ اللہ علیہ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۱	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت اولیس بن عامر قرنیؓ
۵۳	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت ایاس بن معاویہؓ
۵۶	// //	۷	حضرت ایوب بن ابی تمیہ سختیانیؓ
۴۱۳	// //	۷	حضرت ابوادریس خولانیؓ
۴۱۴	// //	۷	حضرت ابواسحاق سبعیؓ
۴۱۶	// //	۷	حضرت ابو بردہ بن موسیٰ اشعریؓ
۴۴۳	// //	۷	حضرت امام ابوحنیفہؒ
۴۵	سیر الصحابہ ۱۴ تا بعین اول	۸	حضرت امام ابو یوسفؒ
۱۹۵	// //	۸	حضرت امام اوزاعیؒ
۲۲۹	// //	۸	حضرت امام ابن جریجؒ
۲۳۷	// //	۸	حضرت امام اسحاق بن راہویہؒ
۱۳	سیر الصحابہ ۱۵ تا بعین دوم	۹	حضرت آدم بن ابی ایاسؓ
۱۶	// //	۹	حضرت ابراہیم بن سعدؓ
۱۹	// //	۹	حضرت ابواسحاق ابراہیم القراریؓ
۲۴	// //	۹	حضرت ابن ابی ذئبؓ
۳۱	// //	۹	حضرت ابو معشر کحجیؓ
۳۶	// //	۹	حضرت ابوسلیمان الدارانیؓ
۴۵	// //	۹	حضرت ابو نعیم فضل بن دکینؓ
۵۰	// //	۹	حضرت اسد بن فراتؓ
۶۹	// //	۹	حضرت اسد بن موسیٰؓ
۷۱	// //	۸	حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصریؓ
۷۶	// //	۹	حضرت اسرائیل بن یونس کوفیؓ
۸۰	// //	۹	حضرت اسماعیل بن علیہؓ
۸۹	// //	۹	حضرت اسماعیل بن عیاش العنسیؓ
			ب
۱۵۴	مہاجرین اول	۲	حضرت بلال بن رباحؓ
۴۹۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت بریدہ بن حصیبؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۴۳	انصار اول	۳	حضرت براء بن مالکؓ
۲۴۷	" "	۳	حضرت براء بن عازبؓ
۲۵۳	" "	۳	حضرت براء بن معرورؓ
۲۶۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت بدیل بن ورقاءؓ
۲۷۰	" "	۴	حضرت بسر بن سفیانؓ
۳۶۲	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت بکیر حبشیؓ
۳۶۳	" "	۶	حضرت بشیر بن معاویہؓ
۴۷۶	" "	۶	بنو غسان کے تین صحابی
۶۶۰	" "	۶	حضرت بکاء الراہبؓ
۶۰	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	۷	حضرت بسر بن سعیدؓ
۶۱	" "	۷	حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؓ
ت			
۲۷۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت تمیم بن اسد بن عبدالعزیؓ
۲۷۱	" "	۴	حضرت تمیم بن ربیعہؓ
۳۶۳	" ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت تمامؓ
۳۶۵	" "	۶	حضرت تمیم حبشیؓ
۳۶۵	" "	۶	حضرت تمیم داریؓ
۴۷۷	" "	۶	ایک تغلی صحابی نامعلوم الاسمؓ
۴۴۰	" "	۶	حضرت تمام بن یہودار رحمۃ اللہ علیہ
ث			
۵۹۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت ثمامہ بن عدیؓ
۵۲۵	" "	۲	حضرت ثوبانؓ
۲۵۵	انصار اول	۳	حضرت ثابت بن قیسؓ
۲۵۹	" "	۳	حضرت ثابت بن ضحاکؓ
۵۵۳	انصار دوم	۳	حضرت ثابت بن دحداحؓ
۲۷۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ثمامہ بن اثالؓ
۲۷۳	" "	۴	حضرت ثوبانؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۶۹	سیر الصحابہ ۱۱۳ اہل کتاب	۶	حضرت ثعلبہ بن سعید الہدیؓ
۳۷۰	" "	۶	حضرت ثعلبہ بن سلامؓ
۳۷۰	" "	۶	حضرت ثعلبہ بن قیسؓ
۳۷۱	" "	۶	حضرت ثعلبہ بن ابی مالکؓ
۶۳	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ
ح			
۱۶۰	مہاجرین اول	۲	حضرت جعفر طیارؓ
۶۰۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت جہم بن قیسؓ
۲۶۱	انصار اول	۳	حضرت جابر بن عبد اللہؓ
۲۷۳	" "	۳	حضرت جبار بن صخرؓ
۲۷۵	" "	۳	حضرت جلیبؓ
۲۷۵	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت جابر بن مسلمؓ
۲۷۶	" "	۴	حضرت جارود بن عمروؓ
۲۷۸	" "	۴	حضرت جبیر بن مطعمؓ
۲۸۰	" "	۴	حضرت جربد بن رزاحؓ
۲۸۰	" "	۴	حضرت جریر بن عبد اللہ بکلیؓ
۲۸۶	" "	۴	حضرت جعال بن سراقہؓ
۲۸۷	" "	۴	حضرت جعثم الخیرؓ
۲۸۷	" "	۴	حضرت جمیل بن معمرؓ
۲۸۸	" "	۴	حضرت جنذب بن کعبؓ
۲۷۳	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت جارود بن عمروؓ
۳۷۶	" "	۶	حضرت جبرؓ
۳۷۷	" "	۶	حضرت جبلؓ
۶۵	تابعین	۷	حضرت جابر بن زیدؓ
۸۴	" "	۷	حضرت جعفر صادقؓ
ح			
۲۹۳	مہاجرین اول	۲	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۴۱	مہاجرین اول	۲	حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ
۵۹۹	مہاجرین دوم	۲	حضرت حارث بن خالدؓ
۵۹۸	// //	۲	حضرت حاطب بن حارثؓ
۶۰۶	// //	۲	حضرت حاطب بن عمروؓ
۵۴۰	// //	۲	حضرت حجاج بن علاطؓ
۲۷۷	انصار اول	۳	حضرت حباب بن منذرؓ
۲۷۹	انصار دوم	۳	حضرت حرام بن ملحانؓ
۲۸۱	// //	۳	حضرت حسان بن ثابتؓ
۲۹۹	// //	۳	حضرت حارثہ بن سراقہؓ
۳۰۱	// //	۳	حضرت حارثہ بن صممہؓ
۳۰۳	// //	۳	حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ
۵۵۵	// //	۳	حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
۱۷	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت حسن بن علیؓ
۱۳۱	// //	۴	حضرت حسین بن علیؓ
۲۸۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت حارث بن عمیر ازویؓ
۲۸۹	// //	۴	حضرت حارث بن نوفلؓ
۲۹۰	// //	۴	حضرت حارث بن ہشامؓ
۲۹۲	// //	۴	حضرت حجر بن عدیؓ
۲۹۵	// //	۴	حضرت حسیل بن جابرؓ
۲۹۶	// //	۴	حضرت حکم بن حارثؓ
۲۹۷	// //	۴	حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ
۲۹۸	// //	۴	حضرت حکم بن کسانؓ
۲۹۹	// //	۴	حضرت حمزہ بن عمروؓ
۳۰۰	// //	۴	حضرت حنظلہ بن ربیعؓ
۳۰۲	// //	۴	حضرت حویطب بن عبدالعزیؓ
۳۷۸	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت حیرہ بنجرہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۷۲	سیر الصحابہ تا بعین	۷	حضرت حسن بن حسنؓ
۷۵	۱۳ تا بعین	۷	حضرت حسن بصریؓ
۹۱	// //	۷	حضرت حکم بن عتیہؓ
۹۹	۱۵ تبع تا بعین دوم	۹	حضرت حسن بن صالح الہمدانیؓ
۱۰۱	// //	۹	حضرت حسین بن علی الجعفیؓ
۱۰۸	// //	۹	حضرت حفص بن غیاثؓ
۱۱۴	// //	۹	حضرت حماد بن زیدؓ
۱۱۸	// //	۹	حضرت حماد بن سلمہؓ
۱۲۶	// //	۹	حضرت حمزہ بن حبیب بن الزیات
خ			
۲۷۲	مہارین دوم	۲	حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ
۲۷۸	// //	۲	حضرت خالد بن الولیدؓ
۲۸۱	// //	۲	حضرت خباب بن الارتؓ
۲۰۱	// //	۲	حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزو انؓ
۲۰۳	// //	۲	حضرت خطاب بن الحارثؓ
۵۸۴	// //	۲	حضرت خنیس بن حذافہؓ
۳۰۷	انصار اول	۳	حضرت خبیب بن عدیؓ
۳۱۱	// //	۳	حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ
۳۱۳	// //	۳	حضرت خزیمہ بن ثابتؓ
۳۱۵	// //	۳	حضرت خوات بن جبیرؓ
۳۱۷	// //	۳	حضرت خلاد بن سویدؓ
۳۰۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت خارجہ بن حذافہ سہمیؓ
۳۰۵	// //	۴	حضرت خالد بن عرفطہؓ
۳۰۶	// //	۴	حضرت خریم بن فاتکؓ
۳۰۷	// //	۴	حضرت خفاف بن ایماءؓ
۹۲	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت خارجہ بن زیدؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۹۳	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت خالد بن معدانؓ
۱۳۰	// ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت خالد بن الحارثؓ
			و
۳۷۹	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت درید الراءبؓ
۹۵	// ۱۳، تابعین	۷	حضرت داؤد بن دینارؓ
			ذ
۵۸۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت ذوالشمالینؓ
۳۰۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ذویب بن طلحہؓ
۳۷۹	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت ذوجنؓ
۳۸۰	// //	۶	حضرت ذوحمرؓ
۳۸۱	// //	۶	حضرت ذومناحبؓ
۳۸۲	// //	۶	حضرت ذومہدمؓ
۴۷۶	// //	۶	حضرت ذوالکلاعؓ
۴۷۶	// //	۶	حضرت ذوعمرؓ
			ر
۶۰۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت ربیعہ بن اکثمؓ
۳۱۹	انصار اول	۳	حضرت رافع بن مالکؓ
۳۲۱	// //	۳	حضرت رفاعہ بن رافع زرقیؓ
۳۲۳	// //	۳	حضرت رافع بن خدیجؓ
۳۲۷	// //	۳	حضرت رویفہ بن ثابتؓ
۳۰۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ
۳۱۰	// //	۴	حضرت رفاعہ بن زیدؓ
۳۸۲	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت رافع القرظیؓ
۳۸۳	// //	۶	حضرت رفاعہ بن السموالؓ
۳۸۳	// //	۶	حضرت رافع القرظیؓ
۹۷	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت ربیع بن خثیمہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۰۴	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت ربیعۃ الرائیؓ
۱۱۰	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت رجاء بن حیوہؓ
۱۳۲	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت ربیع بن صبیح بصریؓ
۱۴۱	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت روح بن عبادہؓ
ز			
۱۴۴	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت زکریا بن ابی زائدہؓ
۱۴۶	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت زائدہ بن قدامہؓ
۱۴۹	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت زہیر بن معاویہؓ
۶۷	مہاجرین اول	۲	حضرت زبیر بن العوامؓ
۱۶۵	مہاجرین اول	۲	حضرت زید بن حارثہؓ
۵۰۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت زید بن الخطابؓ
۳۲۹	انصار اول	۳	حضرت زید بن ارقمؓ
۳۳۳	انصار اول	۳	حضرت زید بن ثابتؓ
۳۵۵	انصار اول	۳	حضرت زباد بن ولیدؓ
۳۵۷	انصار اول	۳	حضرت زید بن دشمنہؓ
۵۶۹	انصار دوم	۳	حضرت زید بن سعنےؓ
۳۱۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زاہر بن حرامؓ
۳۱۲	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زبرقان بن بدرؓ
۳۱۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زید بن خالد جہنیؓ
۳۱۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زید بن اہلؓ
۳۸۵	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت زید بن سعنےؓ
۱۱۲	// ۱۳، تابعین	۷	حضرت زر بن حبیشؓ
۱۱۳	// //	۷	حضرت زید بن اسلمؓ
۱۸۱	// ۱۴، تبع تابعین اول	۸	حضرت امام زُفرؓ
س			
۳۱۹	مہاجرین اول	۲	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۰۵	مہاجرین اول	۲	حضرت سعد بن ابی وقاص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۳۶	// //	۲	حضرت سعید بن زید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۸	// //	۲	حضرت سائب بن عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۳	// //	۲	حضرت سعد بن خولہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۱۳	// //	۲	حضرت سعید بن عامر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۶	// //	۲	حضرت سکران بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۰۰	مہاجرین دوم	۲	حضرت سلیمان فارسی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۸۵	// //	۲	حضرت سلمہ بن الاکوع <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۲	// //	۲	حضرت سلمہ بن ہشام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۰	// //	۲	حضرت سلیط بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۶	// //	۲	حضرت سنان بن ابی سنان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۶	// //	۲	حضرت اہل بن بیضاء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۷	// //	۲	حضرت سہیل بن بیضاء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۱	انصار دوم	۳	حضرت سعد بن ربیع <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۵	// //	۳	حضرت اہل بن سعد <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۷	// //	۳	حضرت اہل بن حنیف <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۹	// //	۳	حضرت سعد بن معاذ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۵	// //	۳	حضرت سعد بن عبادہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۸۷	// //	۳	حضرت سعد بن خیشمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۸۹	// //	۳	حضرت سعد بن زید اشہلی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۱	// //	۳	حضرت سلمہ بن سلامہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۳	// //	۳	حضرت اہل بن حنظلہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۵	// //	۳	حضرت سائب بن خلاد <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۱	// //	۳	حضرت سعد بن عقبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۳	// //	۳	حضرت سمرہ بن جندب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۱۵	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت سراقہ بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۱۷	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت سبرہ بن معبد <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۱۸	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت سعد بن خولیؓ
۳۱۸	// //	۴	حضرت سعد الاسودؓ
۳۲۰	// //	۴	حضرت سعد بن عائدؓ
۳۲۱	// //	۴	حضرت سعید بن العاصؓ
۳۲۲	// //	۴	حضرت سعید بن یربوعؓ
۳۲۲	// //	۴	حضرت سفینہؓ
۳۲۶	// //	۴	حضرت سلیمان بن صردؓ
۳۲۷	// //	۴	حضرت سواد بن قاربؓ
۳۲۸	// //	۴	حضرت سہیل بن عمروؓ
۳۸۷	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت سعد بن وہبؓ
۳۸۷	// //	۶	حضرت سعنہؓ
۳۸۸	// //	۶	حضرت سعید بن عامرؓ
۳۸۹	// //	۶	حضرت سلامؓ
۳۷۹	// //	۶	حضرت سلمہ بن سلامؓ
۳۷۹	// //	۶	حضرت سلمان فارسیؓ
۴۰۳	// //	۶	حضرت سمعان بن خالدؓ
۴۰۵	// //	۶	حضرت سیمونہ بلقاویؓ
۱۱۵	سیر الصحابہ ۱۱۳ تابعین	۷	حضرت سالم بن عبد اللہؓ
۱۱۹	// //	۷	حضرت سعید بن جبیرؓ
۱۳۳	// //	۷	حضرت سعید بن المسیبؓ
۱۵۲	// //	۷	حضرت سلمہ بن دینارؓ
۱۵۷	// //	۷	حضرت سلیمان بن یسارؓ
۱۵۲	// //	۷	حضرت سلیمان بن طرخان تمیمیؓ
۲۳۵	// ۱۴ تبع تابعین اول	۸	حضرت سفیان بن عیینہؓ
۳۸۵	// //	۸	حضرت سفیان ثوریؓ
۱۵۲	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت سعید بن عبد العزیزؓ
۱۵۵	// //	۹	حضرت سلیمان بن بلالؓ
۱۵۷	// //	۹	حضرت سلیمان بن مغیرۃ القیسؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
			ش
۳۲۶	مہاجرین اول	۲	حضرت شجاع بن وہب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۰	// //	۲	حضرت شقران صالح <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۲۴	// //	۲	حضرت شماس بن عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۷۸	مہاجرین دوم	۲	حضرت شرحبیل بن حسنہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۷	انصار دوم	۳	حضرت شداد بن اوس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت شیبہ بن عقبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۵	// //	۴	حضرت شیبہ بن عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۵	// ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت شمعون <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۵۹	// ۱۳، تا بعین	۷	حضرت قاضی شریح بن حارث
۲۸۷	// ۱۴، تا بعین اول	۸	حضرت امام شعبہ
۱۵۹	// ۱۵، تا بعین دوم	۹	حضرت شجاع بن الولید
۱۶۱	// //	۹	حضرت شریک بن عبداللہ نخعی
			ص
۲۶۶	مہاجرین اول	۲	حضرت صہیب بن سنان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۶	// دوم	۲	حضرت صفوان بن بیضاء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت صعصعہ بن ناجیہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۸	// //	۴	حضرت صفوان بن امیہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۱	// //	۴	حضرت صفوان بن معطل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۷	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت صالح القرظی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۴۱	// //	۶	حضرت صبی بن معبد
۱۷۱	// ۱۳، تا بعین	۷	حضرت صفوان بن سلیم زہری
۱۷۳	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت صفوان بن محرز
			ض
۳۳۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضحاک بن سفیان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضرار بن ازور <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۳۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضامد بن ثعلبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۵	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضمام بن ثعلبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۲	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت ضغاطر الاسقف الشہید
۱۶۹	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت ضحاک بن المخلد النبیل
ط			
۸۳	مہاجرین اول	۲	حضرت طلحہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۴	مہاجرین دوم	۲	حضرت طفیل بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۹۴	مہاجرین دوم	۲	حضرت طفیل بن عمرو دوسی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۲۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت طلیب بن عمیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۷	انصار دوم	۳	حضرت طلحہ بن البراء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۷۵	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	۷	حضرت طاؤس بن کيسان
ع			
۸۴	خلفائے راشدین	۱	حضرت عمر فاروق <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۵۴	" "	۱	حضرت عثمان غنی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۱۵	" "	۱	حضرت علی مرتضیٰ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۳	مہاجرین اول	۲	حضرت عامر بن ربیعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۰۴	" "	۲	حضرت عامر بن فہیرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۴۷	" "	۲	حضرت عباس بن عبدالمطلب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۹۰	" "	۲	حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small>
۹۶	" "	۲	حضرت عبدالرحمن بن عوف <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۱۰	مہاجرین اول	۲	حضرت عبداللہ بن جحش <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۹۸	" "	۲	حضرت عبداللہ بن سہیل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۱۷۴	" "	۲	حضرت عبداللہ بن عباس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۰	" "	۲	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۰۲	" "	۲	حضرت عبداللہ بن مسعود <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۲۲	" "	۲	حضرت عبیدہ بن الحارث <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۰۰	مہاجرین اول	۲	حضرت عتبہ بن غزو ان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۷	// //	۲	حضرت عثمان بن مظعون <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۱۴	// //	۲	حضرت عکاشہ بن محسن <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۹	// //	۲	حضرت عمار بن یاسر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۱	// //	۲	حضرت عمیر بن ابی وقاص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت عاقل بن ابی بکر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۹	// //	۲	حضرت عامر بن ابی وقاص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۴	// //	۲	حضرت عبداللہ الاصفغر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۰	// //	۲	حضرت عبداللہ بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۷	// //	۲	حضرت عبداللہ بن حذافہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۱	// //	۲	حضرت عبداللہ بن سراقہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۳	// //	۲	حضرت عبداللہ بن سہیل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۷	// //	۲	حضرت عبداللہ بن عمر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۰	// //	۲	حضرت عبداللہ بن مخرمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۵	// //	۲	حضرت عتبہ بن مسعود <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۵	// //	۲	حضرت عثمان بن طلحہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۵	// //	۲	حضرت عدی بن نعلہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۰۱	// //	۲	حضرت عقبہ بن عامر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۱۵	// //	۲	حضرت عقیل بن ابی طالب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۵۸	// //	۲	حضرت عمرو بن أمیہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۱	مہاجرین دوم	۲	حضرت عمرو بن سراقہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۵۰	// //	۲	حضرت عمرو بن سعید بن العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۲۰	// //	۲	حضرت عمرو بن العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۲۷	// //	۲	حضرت عمرو بن عتبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۳	// //	۲	حضرت عمرو بن عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۲	// //	۲	حضرت عمرو بن عوف <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۶۰۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت عمیر بن رباب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۰۴	" "	۲	حضرت عمیر بن وہب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۶۷	" "	۲	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۰	" "	۲	حضرت عیاض بن زہیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۱	انصار دوم	۳	حضرت عبادہ بن صامت <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۹	" "	۳	حضرت عبداللہ بن رواحہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۱۷	" "	۳	حضرت عاصم بن ثابت <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۱۹	" "	۳	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن عبداللہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۷	" "	۳	حضرت عتبان بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۹	" "	۳	حضرت عبادہ بن بشر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن عتیک <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۵	" "	۳	حضرت عباس بن عبادہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۷	" "	۳	حضرت عبداللہ بن زید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۴۱	" "	۳	حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۴۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن یزید <small>خطمی رضی اللہ عنہ</small>
۴۴۵	" "	۳	حضرت عبدالرحمان بن شبل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۴۷	" "	۳	حضرت عثمان بن حنیف <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵۵	" "	۳	حضرت غمارہ بن حزم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵۷	" "	۳	حضرت عمرو بن جموح <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۶۱	انصار دوم	۳	حضرت عمرو بن حزم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۶۵	" "	۳	حضرت عمیر بن سعید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۶۷	" "	۳	حضرت عویم بن ساعدہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۹	" "	۳	حضرت عاصم بن عدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۱	" "	۳	حضرت عبداللہ بن انیس جہنی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن مسلمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۵۸۵	انصار دوم	۳	حضرت عبداللہ بن سلام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۸۹	" "	۳	حضرت عبداللہ بن طارق <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۱	" "	۳	حضرت عدی بن ابی الزغباء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۳	" "	۳	حضرت عقبہ بن وہب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۱۱	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت عبداللہ بن زبیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۷	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت عامر بن اکوع <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۸	" "	۴	حضرت عائد بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۹	" "	۴	حضرت عباس بن مرداس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۱	" "	۴	حضرت عبداللہ بن ارقم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۲	" "	۴	حضرت عبداللہ بن امیہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۳	" "	۴	حضرت عبداللہ بن کحینہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۴	" "	۴	حضرت عبداللہ بن بدر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۵	" "	۴	حضرت عبداللہ بن بدیل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۵۷	" "	۴	حضرت عبداللہ بن جعفر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۱	" "	۴	حضرت عبداللہ بن ابی حدرد <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۲	" "	۴	حضرت عبداللہ بن زبیری <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۳	" "	۴	حضرت عبداللہ بن زمعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۴	" "	۴	حضرت عبداللہ بن عامر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۶۹	" "	۴	حضرت عبداللہ بن عبدنہم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۰	" "	۴	حضرت عبداللہ بن مغل مزنی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت عبداللہ بن وہب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۵	" "	۴	حضرت عبید اللہ بن عباس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۸	" "	۴	حضرت عبدالرحمن بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۷۹	" "	۴	حضرت عتاب بن اسید <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۸۳	" "	۴	حضرت عتبہ بن ابی لہب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۸۴	" "	۴	حضرت عثمان بن ابی العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۸۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت عداء بن خالد <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۰	" "	۴	حضرت عدی بن حاتم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۱	" "	۴	حضرت عروہ بن مسعود ثقفی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۳	" "	۴	حضرت عکرمہ بن ابی جہل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۷	" "	۴	حضرت علاء حضرمی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۹۹	" "	۴	حضرت عمران بن حصین <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۳	" "	۴	حضرت عمرو بن حمق <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۴	" "	۴	حضرت عمرو بن مرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۵	" "	۴	حضرت عوسجہ بن حرمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۶	" "	۴	حضرت عیاض بن حمار <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۷	" ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت عامر الشافی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۸	" "	۶	حضرت عبد الحارث بن السنی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۹	" "	۶	حضرت عبد اللہ بن سلام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۱۳	" "	۶	حضرت عبد الرحمان بن زبیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۱۴	" "	۶	حضرت عداس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۱۵	" "	۶	حضرت عدی بن حاتم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۱	" "	۶	حضرت عطیہ القرظی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۱	" "	۶	حضرت علی بن رفاعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۲	" "	۶	حضرت عمرو بن سعدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۳	" "	۶	حضرت عمیر بن امیہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۴	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت عمیر بن حسین
۱۷۶	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت عامر شراحیل شععی
۱۹۰	" "	۷	حضرت عامر بن عبد اللہ
۲۰۰	" "	۷	حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود
۲۰۱	" "	۷	حضرت عبد اللہ بن عون
۲۰۶	" "	۷	حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۰۹	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت عبدالرحمان بن اسود
۲۱۰	// //	۷	حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ
۲۱۳	// //	۷	حضرت عبدالرحمان بن غنم
۲۱۵	// //	۷	حضرت عبدالرحمان بن قاسم
۲۱۶	// //	۷	حضرت عروہ بن زبیر
۲۲۳	// //	۷	حضرت عطاء بن ابی رباح
۲۲۷	// //	۷	حضرت عمرو بن شرحبیل
۲۲۹	// //	۷	حضرت عمرو بن دینار
۲۳۱	// //	۷	حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس
۲۴۰	// //	۷	حضرت علی بن حسین زین العابدین
۲۵۵	// //	۷	حضرت عمرو بن عبدالعزیز
۲۵۷	// //	۷	حضرت عمرو بن مرہ
۲۹۶	// //	۷	حضرت علقمہ بن قیس
۲۵۹	۱۴ تبع تابعین اول	۸	حضرت عبداللہ بن مبارک
۳۰۵	// //	۸	حضرت عبداللہ بن وہب
۳۳۵	// //	۸	حضرت عبدالرحمان ابن مہدی
۳۳۵	// //	۸	حضرت علی بن مدینی
۱۷۳	۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت عبدالاعلیٰ بن مسہر (ابو مسہر)
۱۷۸	// //	۹	حضرت عبدالرحمان بن القاسم
۱۸۲	// //	۹	حضرت عبدالرزاق بن ہمام
۱۸۸	// //	۹	حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون
۱۹۷	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت عبداللہ بن ادریس
۲۰۱	// //	۹	حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی
۲۰۸	// //	۹	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حفص
۲۱۱	// //	۹	حضرت عبداللہ بن ابی لہیعہ
۲۱۵	// //	۹	حضرت عثمان بن مسلم
۲۲۰	// //	۹	حضرت عبداللہ بن شوذب

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۲۲	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت عبداللہ بن نافع
۲۲۳	// //	۹	حضرت علی بن مسہر کوفی
۲۲۶	// //	۹	حضرت عمر بن سعد
۲۲۹	// //	۹	حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی
			ع
۲۰۶	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت غالب بن عبداللہؓ
			ف
۵۹۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت فراس بن نضرؓ
۵۲۱	مہاجرین دوم	۲	حضرت فضل بن عباسؓ
۲۶۹	انصار دوم	۳	حضرت فضالہ بن عبیدؓ
۲۰۸	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت فروہ بن میکؓ
۲۰۹	// //	۲	حضرت فضالہ لیشیؓ
۲۱۰	// //	۲	حضرت فیروز دلیلیؓ
۲۷۵	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت فروہ بن عمروؓ
۲۷۳	// ۱۳، تبع تابعین اول	۸	حضرت فضیل بن عیاضؓ
۲۳۵	// ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت فضل بن موسیٰ سینانیؓ
			ق
۵۲۶	مہاجرین دوم	۲	حضرت قدامہ بن مظعونؓ
۶۰۵	// //	۲	حضرت قیس بن عبداللہؓ
۲۷۳	انصار دوم	۳	حضرت قتادہ بن نعمانؓ
۲۷۵	// //	۳	حضرت قیس بن سعدؓ
۲۸۳	// //	۳	حضرت قرظ بن کعبؓ
۲۸۷	// //	۳	حضرت قطبہ بن عامرؓ
۲۱۱	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت قباث بن اشیمؓ
۲۱۱	// //	۲	حضرت قثم بن عباسؓ
۲۱۳	// //	۲	حضرت قیس بن خرشہؓ
۲۱۳	// //	۲	حضرت قیس بن عاصمؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۰۲	سیر الصحابہ ۱۳، تا بعین	۷	حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر
۳۰۸	// //	۷	حضرت قبیصہ بن ذویب
۳۰۹	// //	۷	حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی
۱۰۶	// ۱۵، تبع تا بعین دوم	۹	حضرت قاسم بن الفضل
۲۳۸	// //	۹	حضرت قاسم بن معین
۲۳۳	// //	۹	حضرت قبیصہ بن عقبہ
۲۳۷	// //	۹	حضرت قتیبہ بن سعید انصاری
ک			
۲۸۹	انصار دوم	۳	حضرت کعب بن مالک
۲۹۵	// //	۳	حضرت کلثوم بن الہدم
۲۹۵	// //	۳	حضرت کعب بن عجرہ
۲۱۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت کرز بن جابر فہری
۲۱۷	// //	۴	حضرت کعب بن زہیر و جیر بن زہیر
۲۱۹	// //	۴	حضرت کعب بن عمیر غفاری
۲۲۰	// //	۴	حضرت کعب بن ہلالی
۲۲۳	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت کثیر بن السائب
۲۲۴	// //	۶	حضرت کرز بن علقمہ
۲۲۴	// //	۶	حضرت کعب بن سلیم
۲۲۳	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت کعب احبار
۳۱۲	سیر الصحابہ ۱۳، تا بعین	۷	حضرت کعب احبار
۳۱۵	// //	۷	حضرت کعب بن سور
ل			
۳۳۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت لبید بن ربیعہ
۳۵۵	// ۱۴، تبع تا بعین اول	۸	حضرت امام لیث بن سعد
م			
۳۵	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت امیر معاویہ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۲۸	مہاجرین اول	۲	حضرت محرز بن نھله <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۷۰	// //	۲	حضرت مصعب بن عمیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۸۵	// //	۲	حضرت مقداد بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۵	مہاجرین دوم	۲	حضرت مالک بن زمعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۲	// //	۲	حضرت حمیہ بن جزی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۵۲	// //	۲	حضرت مرشد بن ابی مرشد غنوی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۵۲	// //	۲	حضرت مطح بن اثاثہ (عوف) <small>رضی اللہ عنہ</small>
۶۰۱	// //	۲	حضرت مسعود بن ربیع <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۲	// //	۲	حضرت معمر بن ابی سرح <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۸	// //	۲	حضرت محمد بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۷۲	// //	۲	حضرت معمر بن عبداللہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۵	// //	۲	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۶۸	// //	۲	حضرت مغیرہ بن شعبہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۹۷	انصار دوم	۳	حضرت معاذ بن جبل <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۲۰	// //	۳	حضرت مسلمہ بن مخلد <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۲۵	// //	۳	حضرت محمد بن مسلم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۱	// //	۳	حضرت معاذ بن عفراء <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۲۳	// //	۳	حضرت مجمع بن جاریہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۵	انصار دوم	۳	حضرت حنیسہ بن مسعود <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۳۷	// //	۳	حضرت منذر بن عمرو <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۷	// //	۳	حضرت مجزر بن زیاد <small>رضی اللہ عنہ</small>
۵۹۹	// //	۳	حضرت معن بن عدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۲۳	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت ماعز بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۲۶	// //	۲	حضرت ثنی بن حارث شیبانی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۱	// //	۲	حضرت مجن بن اورع <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۲	// //	۲	حضرت محمد بن طلحہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۲	// //	۲	حضرت مسلم بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۳۵	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت مسور بن مخرمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۷	// //	۴	حضرت مطیع بن اسود <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۸	// //	۴	حضرت معاویہ بن حکم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۳۹	// //	۴	حضرت معقل بن سنان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۰	// //	۴	حضرت معقل بن یسار <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۵	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت محرب <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۵	// //	۶	حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۶	// //	۶	حضرت مخزوم <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۷	// //	۶	حضرت میمون بن یامین <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۸	// //	۶	حضرت مابور <small>رضی اللہ عنہ</small>
۳۴۵	// //	۶	حضرت محمد بن کعب القرظی
۳۴۷	۱۳، تابعین	۷	حضرت مجاہد بن جبر
۳۴۹	// //	۷	حضرت محمد بن اسحاق
۳۴۴	// //	۷	حضرت محمد بن حنیفہ
۳۴۶	// //	۷	حضرت محمد بن سیرین
۳۵۷	// //	۷	حضرت محمد بن عجلان
۳۶۰	// //	۷	حضرت محمد بن کعب
۳۵۸	// //	۷	حضرت محمد بن علی امام باقر
۳۶۱	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت محمد بن مسلم امام زہری
۳۶۸	// //	۷	حضرت محمد بن منکدر
۳۷۰	// //	۷	حضرت مسروق بن اجدع
۳۷۷	// //	۷	حضرت مسعر بن کدام
۳۸۱	// //	۷	حضرت مسلم بن یسار
۳۸۳	// //	۷	حضرت مطرف بن عبداللہ
۳۸۷	// //	۷	حضرت مکحول دمشقی
۳۹۰	// //	۷	حضرت منصور بن زازان

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۹۲	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت میمون بن مہرانؓ
۱۲۳	// تبع تابعین اول	۸	حضرت محمد بن حسن شیبانیؓ
۲۹۹	// //	۸	حضرت مسعر بن کدامؓ
۳۳۱	// //	۸	حضرت امام مالک بن انسؓ
۲۵۱	// ۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت مبارک بن فضالہؓ
۲۵۳	// //	۹	حضرت محمد بن ابی شیبہؓ
۲۵۵	// //	۹	حضرت محمد بن ادریس (امام شافعی)ؓ
۲۷۷	// //	۹	حضرت محمد بن جعفر غندرؓ
۲۷۹	// //	۹	حضرت محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الانصاریؓ
۲۸۳	// //	۹	حضرت مسلم بن خالد زنجیؓ
۲۸۶	// //	۹	حضرت معاذ بن معاذ عمیریؓ
۲۹۰	// //	۹	حضرت معانی بن عمرانؓ
۲۹۳	// //	۹	حضرت معمر بن راشدؓ
۲۹۶	// //	۹	حضرت مکی بن ابراہیمؓ
۲۹۸	// //	۹	حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظمؓ
ن			
۵۶۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت نعیم بن مسعودؓ
۵۷۱	// //	۲	حضرت نعیم الحامؓ
۵۱۸	مہاجرین دوم	۲	حضرت نوفل بن حارثؓ
۵۳۹	انصار دوم	۳	حضرت نعمان بشیرؓ
۵۳۷	// //	۳	حضرت نعمان بن عجلانؓ
۳۳۳	سیر الصحابہ ہفتم	۳	حضرت ناجیہ بن جندبؓ
۳۳۴	// //	۳	حضرت نیشہ الخیرؓ
۳۳۶	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت نافعؓ
۳۳۸	// //	۶	حضرت نعیم الحممؓ
۳۹۴	// ۱۳، تابعین	۷	حضرت نافع بن جبیرؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۹۶	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت نافع بن کاؤسؓ
۳۹۸	// //	۷	حضرت نعمان بن ثابتؓ (امام ابوحنیفہ)
۳۰۳	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت نافع بن ابی نعیمؓ
۳۰۶	// //	۹	حضرت نصر بن شمیلؓ
و			
۵۶۵	مہاجرین دوم	۲	حضرت واقد بن عبداللہؓ
۵۲۹	// //	۲	حضرت ولید بن ولیدؓ
۵۹۰	// //	۲	حضرت وہب بن سعدؓ
۴۴۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت واثلہ بن اسقعؓ
۴۴۷	// //	۴	حضرت وائل بن ہجرؓ
۴۴۸	// //	۴	حضرت وحشی بن حربؓ
۴۴۹	// //	۴	حضرت وہب بن قابوسؓ
۴۹۹	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت وہب بن منبہؓ
۴۹۹	// ۱۳، تابعین	۷	حضرت وہب بن منبہؓ
۴۱۲	// ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت وضاح بن عبداللہ واسطیؓ
۴۱۶	// //	۹	حضرت وکیع بن الجراح الرواسیؓ
۴۲۶	// //	۹	حضرت ولید بن مسلمؓ
۴۳۰	// //	۹	حضرت وہیب بن خالدؓ
د			
۶۰۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت ہاشم بن ابی حذیفہؓ
۵۴۴	مہاجرین دوم	۲	حضرت ہشام بن عاصؓ
۵۴۹	انصار دوم	۳	حضرت ہلال بن امیہؓ
۴۵۰	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ہاشم بن عقبہؓ
۴۵۳	// //	۴	حضرت ہشام بن حکیمؓ
۴۵۵	// //	۴	حضرت ہند بن حارثہؓ
۴۰۱	// ۱۳، تابعین	۷	حضرت ہرم بن حیان عبدیؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۰۲	سیر الصحابہ ۱۳ تبع تابعین	۷	حضرت ہشام بن عروہ
۳۳۳	// ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی
ی۔ ۷۔			
۵۹۵	مہاجرین دوم	۲	حضرت یزید بن زمعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت یاسر بن عامر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵۷	// //	۴	حضرت یزید بن ابی سفیان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵۸	// //	۴	حضرت یزید بن شجرہ رہاوی <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۲۹	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت یامین بن عمیر <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۳۱	// //	۶	حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۰۵	// ۱۳، تابعین	۷	حضرت یحییٰ بن سعید
۴۰۷	// //	۷	حضرت یحییٰ بن لعیر
۴۰۹	// //	۷	حضرت یزید بن ابی حبیب
۴۱۰	// //	۷	حضرت یونس بن عبید
۳۱۵	// ۱۴، تبع تابعین اول	۸	حضرت یحییٰ بن معین
۳۲۵	// //	۸	حضرت یحییٰ بن سعید القطان
۴۱۵	// //	۸	حضرت یحییٰ بن آدم
۳۳۸	// ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ
۳۴۲	// //	۹	حضرت یحییٰ بن یحییٰ مسمودی
۳۵۱	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت یحییٰ بن یمان
۳۵۲	// //	۹	حضرت یزید بن یمان
۳۵۳	// //	۹	حضرت یزید بن زریع العیشی
۳۵۷	// //	۹	حضرت یزید بن ہارون سلمی
۳۶۹	// //	۹	حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشاریہ

اسمائے گرامی صحابیات و تابعیات

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
			الف
۵۵	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ام سلمہؓ
۷۸	// //	۶	حضرت ام حبیبہؓ
۹۲	// //	۶	حضرت ام کلثومؓ
۱۰۱	// //	۶	حضرت اُمّہؓ
۱۰۵	// //	۶	حضرت ام ایمنؓ
۱۰۸	// //	۶	حضرت ام الفضلؓ
۱۱۰	// //	۶	حضرت ام رومانؓ
۱۱۳	// //	۶	حضرت ام سلیمؓ
۱۱۷	// //	۶	حضرت ام عمارہؓ
۱۱۹	// //	۶	حضرت ام عطیہؓ
۱۲۳	// //	۶	حضرت ام ہانیؓ
۱۲۶	// //	۶	حضرت اسماء بنت عمیسؓ
۱۳۰	// //	۶	حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ
۱۳۱	// //	۶	حضرت اسماء بنت یزیدؓ
۱۳۲	// //	۶	حضرت ام درداءؓ
۱۳۵	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ام حکیمؓ
۱۳۸	// //	۶	حضرت ام حرامؓ
۱۵۰	// //	۶	حضرت ام ورقہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۵۲	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ
۱۵۷	//	۶	حضرت ام ابی ہریرہؓ
۲۷۳	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت ام محمد القرظیؓ
ت			
۲۵۵	سیر الصحابہؓ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت تمیمہؓ
۲۷۳	//	۶	حضرت تماضرؓ
ج			
۷۵	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت جویریہؓ
ح			
۵۰	//	۶	حضرت حفصہؓ
۱۵۹	//	۶	حضرت حمنہ بنت جحشؓ
خ			
۲۵	//	۶	حضرت خدیجہؓ
۱۳۶	//	۶	حضرت خنساءؓ
۱۵۸	//	۶	حضرت خولہ بنت حکیمؓ
۲۵۶	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت خالدہؓ
ر			
۹۰	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت رقیہؓ
۱۲۱	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ربیع بنت معوذؓ
۲۵۰	سیر الصحابہؓ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت ریحانہؓ
ز			
۵۵	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت زینب ام المساکینؓ
۶۸	//	۶	حضرت زینب بنت جحشؓ
۸۸	//	۶	حضرت زینبؓ (صاحبزادی)
۱۳۰	//	۶	حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ
۱۵۶	//	۶	حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ
س			
۳۵	//	۶	حضرت سودہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۱۲	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت سمیہؓ
۲۵۸	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت سفانہؓ
۲۵۹	// //	۶	حضرت سیرینؓ
ش			
۱۳۸	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ
ص			
۸۳	// //	۶	حضرت صفیہؓ
۱۰۳	// //	۶	حضرت صفیہ بنت عبد المطلبؓ
۲۶۰	// ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت صفیہؓ
ع			
۳۸	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت عائشہ صدیقہؓ
ف			
۹۳	// //	۶	حضرت فاطمہ الزہراءؓ
۱۰۷	// //	۶	حضرت فاطمہ بنت اسدؓ
۱۲۵	// //	۶	حضرت فاطمہ بنت خطابؓ
۱۳۵	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت فاطمہ بنت قیسؓ
م			
۸۲	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت میمونہؓ
۲۶۲	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ماریہ قبطیہؓ
ہ			
۱۵۱	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ہند بن عتبہؓ

فہرست مضامین

(خلفائے راشدین)

.....	۹	دیباچہ (سیر الصحابہ)
۳۴	۱۱	تمہید
۳۶	۱۷	امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق
۳۸	۱۷	نام، نسب، خاندان
۴۰	۱۷	حضرت ابو بکر کے والد
۴۰	۱۸	حضرت ابو بکر کی والدہ
۴۱	۱۸	قبل اسلام
۴۲	۱۹	اسلام
۴۲	۲۰	اشاعت اسلام
۴۳	۲۰	مکہ کی زندگی
۴۳	۲۱	ہجرہ حبشہ کا قصہ اور واپسی
.....	۲۲	ہجرت مدینہ اور خدمت رسول ﷺ
۴۳	۲۶	مواخات
.....	۲۷	تعمیر مسجد
.....	۲۸	غزوات
.....	۲۸	غزوہ بدر
.....	۲۹	غزوہ احد
.....	۲۹	غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک
.....	۳۱	واقعہ حدیبیہ
.....	۳۳	امارت حج
.....	آنحضرت ﷺ کی وفات اور
.....	حضرت ابو بکر کی خلافت
.....	سقیفہ بنی ساعدہ
.....	حضرت علی کی بیعت
.....	خلافت
.....	اسامہ بن زید والی مہم
.....	مدعیان نبوت کا قلع قمع
.....	مرتدین کی سرکوبی
.....	منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ
.....	جمع و ترتیب قرآن
.....	ایک غلط فہمی کا ازالہ
.....	کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں
.....	عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں
.....	حضرت ابو بکر نے قرآن کے متفرق اجزاء
.....	کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا
.....	صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا
.....	فتوحات
.....	مہم عراق
.....	حملہ شام
.....	متفرق فتوحات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۰	حدیث	۴۹	مرض الموت اور استخفاف حضرت عمر فاروقؓ
۷۰	امامت و اجتہاد	۵۱	کارنامہ ہائے زندگی
۷۱	اصول اجتہاد	۵۱	نظام خلافت
۷۲	قیاسی مسائل سے خوف	۵۲	ملکی نظم و نسق
۷۲	ایک قیاسی مسئلہ	۵۳	حکام کی نگرانی
۷۴	اخلاق و عادات	۵۵	تقریر و حدود
۷۴	تقویٰ	۵۶	مالی انتظامات
۷۶	زہد	۵۷	فوجی نظام
۷۷	تواضع	۵۷	فوج کی اخلاقی تربیت
۷۸	انفاق فی سبیل اللہ	۵۸	سامان جنگ کی فراہمی
۷۹	خدمت گزارِ خلق	۵۸	فوجی چھاونیوں کا معائنہ
۸۰	مذہبی زندگی	۵۹	بدعات کا سدباب
۸۱	خانگی زندگی	۵۹	خدمتِ حدیث
۸۱	مہمان نوازی	۶۰	محکمہ افتاء
۸۱	لباس و غذا	۶۰	اشاعتِ اسلام
۸۲	ذریعہ معاش	۶۱	رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایفائے عہد
۸۲	جاگیر	۶۱	رسول اللہ کے اہلبیت اور متعلقین کا خیال
۸۳	حلیہ	۶۲	ذمی رعایا کے حقوق
۸۳	ازواج و اولاد	۶۳	فضائل و مناقب
۸۴	امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ	۶۳	بارگاہِ نبوت میں رسوخ
۸۴	نام و نسب اور خاندان	۶۵	علم و فضل
۸۶	اسلام حضرت عمرؓ	۶۶	ذوق سخن
۸۹	زمانہ اسلام	۶۶	تقریر و خطابت
۹۳	ہجرت	۶۷	نسب دانی
۹۵	غزوات و دیگر حالات	۶۸	تعبیرِ رویا
۱۰۱	خلافت اور فتوحات	۶۸	علم تفسیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۸	حب رسول اور اتباع سنت	۱۰۱	فتوحات عراق
۱۴۱	زہد و قناعت	۱۰۲	قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ
۱۴۶	تواضع	۱۰۷	عام لشکر کشی
۱۴۷	تشدد و ترحم	۱۰۸	فتوحات شام
۱۴۹	عفو	۱۰۸	میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ
۱۴۹	رفاہ عام	۱۱۰	بیت المقدس
۱۵۰	خدا کی راہ میں دینا	۱۱۰	بیت المقدس کا سفر
۱۵۱	مساوات کا خیال	۱۱۱	متفرق معرکے اور فتوحات
۱۵۱	غیرت	۱۱۱	فتوحات مصر
۱۵۲	خانگی زندگی	۱۱۲	شہادت
۱۵۲	امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ	۱۱۲	ازواج و اولاد
۱۵۳	نام و نسب، خاندان	۱۱۳	فاروقی کارنامے
۱۵۵	قبول اسلام	۱۱۳	فتوحات پر اجمالی نظر
۱۵۶	شادی	۱۱۵	نظام خلافت
۱۵۶	حبشہ کی ہجرت	۱۱۸	احساب
۱۵۷	مدینہ کی طرف ہجرت	۱۲۱	ملکی نظم و نسق
۱۵۷	بیر رومہ کی خریداری	۱۲۲	بیت المال
۱۵۸	غزوات اور دیگر حالات	۱۲۳	تعمیرات
۱۵۸	غزوہ بدر اور حضرت رقیہؓ کی علالت	۱۲۳	مستعمرات
۱۵۹	غزوہ احد	۱۲۵	فوجی انتظامات
۱۶۰	دیگر غزوات	۱۲۸	مذہبی خدمات
۱۶۰	سفارت کی خدمت	۱۳۰	متفرق انتظامات
۱۶۱	غزوہ تبوک اور تجہیز و تہیہ عسریہ	۱۳۱	عدل و انصاف
۱۶۳	خلافت اور فتوحات	۱۳۳	علم و فضل
۱۶۴	فتح طرابلس	۱۳۷	اخلاق و عادات
۱۶۵	فتح افریقیہ	۱۳۷	خوف خدا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۶	حکام کی نگرانی	۱۶۵	اپسین پر حملہ
۱۹۷	ملکی نظم و نسق	۱۶۵	عبداللہ بن ابی سرح کو انعام
۱۹۷	بیت المال	۱۶۶	فتح قبرص
۱۹۸	تعمیرات	۱۶۶	والی بصرہ کی معزولی
۱۹۸	بند مہزو	۱۶۷	فتح طبرستان
۱۹۸	مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع	۱۶۸	ایک عظیم الشان بحری جنگ
۱۹۹	فوجی انتظامات	۱۶۸	متفرق فتوحات
۲۰۰	امارت بحریہ	۱۶۹	انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت
۲۰۰	مذہبی خدمات	۱۸۵	شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش
۲۰۲	فضل و کمال	۱۸۶	مفسدین کو فہ کی رضا جوئی
۲۰۲	نوشت و خواند	۱۸۶	تحقیقاتی و فود
۲۰۲	کتابت وحی	۱۸۶	انقلاب کی کوشش
۲۰۲	اسلوب تحریر	۱۸۷	خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ
۲۰۳	تقریر	۱۸۸	محاصرہ
۲۰۳	قرآن پاک	۱۸۸	باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی فہمائش
۲۰۴	حدیث شریف	۱۸۹	جاں نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی
۲۰۴	فقہ و اجتہاد	۱۹۰	شہادت کی تیاری
۲۰۶	علم الفرائض	۱۹۱	شہادت
۲۰۷	اخلاق و عادات	۱۹۲	حضرت عثمانؓ کا ماتم
۲۰۷	خوفِ خدا	۱۹۴	عثمانی کارنامے
۲۰۷	حب رسول ﷺ	۱۹۴	فتوحات پر اجمالی نظر
۲۰۸	احترام رسول ﷺ	۱۹۵	فتوحات کی وسعت
۲۰۸	اتباع سنت	۱۹۵	نظام خلافت
۲۰۸	حیا	۱۹۶	عمال کی مجلس شوریٰ
۲۰۹	زہد	۱۹۶	صوبوں کی تقسیم
۲۰۹	تواضع	۱۹۶	اختیارات کی تقسیم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۱	حضرت فاطمہؑ سے نکاح	۲۱۰	ایشاء
۲۲۲	رخصتی	۲۱۰	فیاضی
۲۲۲	جہیز	۲۱۱	اعزاء و احباب کے ساتھ حسن سلوک
۲۲۲	دعوتِ ولیمہ	۲۱۱	صبر و تحمل
۲۲۳	غزوہٴ احد	۲۱۱	مذہبی زندگی
۲۲۳	بنو نضیر	۲۱۲	ذاتی حالات
۲۲۳	غزوہٴ خندق	۲۱۲	مسکن
۲۲۴	بنو قریظہ	۲۱۲	وسائلِ معاش
۲۲۴	بنی سعد کی سرکوبی	۲۱۲	جاگیر
۲۲۴	صلح حدیبیہ	۲۱۲	زراعت
۲۲۴	فتح خیبر	۲۱۲	غذا
۲۲۵	مرحبا	۲۱۳	صفائی
۲۲۵	مہم مکہ	۲۱۳	لباس
۲۲۷	ایک غلطی کی تلافی	۲۱۳	حلیہ
۲۲۷	غزوہٴ حنین	۲۱۳	ازواج و اولاد
۲۲۸	اہل بیت کی حفاظت	۲۱۵	امیر المؤمنین حضرت علیؑ
۲۲۸	تبلیغ فرمانِ رسول ﷺ	۲۱۵	نام و نسب خاندان
۲۲۸	مہم یمن اور اشاعتِ اسلام	۲۱۶	اسلام
۲۲۹	حجۃ الوداع میں شرکت	۲۱۷	مکہ کی زندگی
۲۲۹	صدمہٴ جانکاہ	۲۱۸	انتظامِ دعوت
۲۲۹	خلیفہٴ اول کی بیعت اور توقف کی وجہ	۲۱۸	ہجرت
۲۳۱	بیعتِ خلافت		فدویت و جاٹھاری کا
۲۳۳	حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی	۲۱۹	ایک عدیم المثال کارنامہ
۲۳۳	سفرِ عراق	۲۲۰	تعمیر مسجد
۲۳۴	حضرت امام حسنؑ کا سفر کوفہ	۲۲۱	غزوات و دیگر حالات
۲۳۵	جنگِ جمل	۲۲۱	غزوہٴ بدر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۷	علم حدیث	۲۳۸	صلح کی دعوت
۲۶۹	فقہ واجتہاد	۲۴۰	معرکہ صفین
۲۷۱	قضاء اور فیصلے	۲۴۰	پانی کے لئے کش مکش
۲۷۴	علم اسرار و حکم	۲۴۱	میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش
۲۷۶	تصوف	۲۴۱	آغاز جنگ
۲۷۷	تقریر و خطابت	۲۴۵	خارجی فرقہ کی بنیاد
۲۷۹	شاعری	۲۴۶	تحکیم کا نتیجہ
۲۷۹	علم نحو کی ایجاد	۲۴۸	خوارج کی سرکشی
۲۸۰	اخلاق عادات	۲۴۹	معرکہ نہروان
۲۸۰	امانت و دیانت	۲۵۰	مصر کے لئے کش مکش
۲۸۱	زہد	۲۵۲	بغاوتوں کا استیصال
۲۸۲	عبادات	۲۵۲	امیر معاویہ کا جارحانہ طریقہ عمل
۲۸۳	انفاق فی سبیل اللہ	۲۵۳	کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا
۲۸۴	تواضع	۲۵۳	فتوحات
۲۸۴	شجاعت	۲۵۴	حجاز و عرب کے قبضہ کے لئے کشمکش
۲۸۵	دشمنوں کے ساتھ سلوک	۲۵۶	کارنامے
۲۸۷	اصابت رائے	۲۵۶	خلافت مرتضوی پر ایک نظر
۲۹۳	خانگی زندگی	۲۶۰	ملکی نظم و نسق
۲۹۴	غذا و لباس	۲۶۰	عمال کی نگرانی
۲۹۵	حلیہ	۲۶۱	صیغہ محاصل
۲۹۵	ازواج و اولاد	۲۶۲	رعایا کے ساتھ شفقت
۲۹۶	خاتمہ جلد اول	۲۶۲	فوجی انتظامات
		۲۶۲	مذہبی خدمات
		۲۶۴	تعزیری سزا
		۲۶۵	فضل و کمال
		۲۶۶	تفسیر اور علوم القرآن

سیر الصحابہ

سیرۃ النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ ارکان دارالمصنفین کو خیال آیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اصل میں تعلیم محمدی کی عملی مثال اور پیغمبر اسلام ﷺ کے فیض تربیت کے اصلی نمونے تھے ان کی سیرتیں بھی ترتیب دی جائیں تاکہ اسلام کی اصلی عملی زندگی مسلمانوں کے سامنے آجائے۔ چنانچہ ہمارے متعدد رفقاء نے اس مقدس کام میں شرکت کی اور بحمد اللہ کہ اس کو تکمیل اور اتمام کو پہنچایا۔

صحابہ کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، مہاجرین اور انصار۔ اسی اصول پر سیر الصحابہ کے دو حصے قرار دیئے گئے، سیر المہاجرین اور سیر الانصار۔ دوسرا حصہ یعنی سیر الانصار دو جلدوں میں چھپ کر چند سال ہوئے شائع ہو چکا ہے۔ اسی کے ساتھ مہاجرہ اور انصاریہ دونوں قسم کی صحابیات کی بھی ایک خاص جلد شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام کی مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور انتظامی زندگی کا مجموعہ اسوۃ صحابہ کے نام سے دو جلدوں میں چھپ کر مقبول ہو چکا ہے۔ غرض اس وقت تک اس سلسلے کے حسب ذیل حصے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں:

- ① - سیر الانصار: (جلد اول) جس میں حروف تہجی کی ترتیب الف سے لے کر س تک کے تمام مشاہیر انصار کے سوانح ہیں اور شروع میں انصار کی قبل از اسلام زندگی کی تاریخ ہے۔
- ② - سیر الانصار: (جلد دوم) جس میں ش سے ی تک تمام اکابر انصار کے احوال و سوانح ہیں۔

- ③ - سیر الصحابیات: مہاجرہ اور انصاریہ ہر قسم کی صحابیہ عورتوں کے حالات۔
- ④ - اسوۃ صحابہ: (جلد اول) اس میں تمام صحابہ کے عقائد، عبادات اور اخلاق و فضائل کی عملی مثالیں جمع کی گئی ہیں۔

- ⑤ - اسوۃ صحابہ: (جلد دوم) اس میں صحابہ کے علمی، تعلیمی، سیاسی اور انتظامی کارنامے جمع کئے گئے ہیں۔

مہاجرین کے احوال و سوانح کی ترتیب و تالیف ہمارے فاضل رفیق حاجی معین الدین صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لی تھی لیکن وہ ابھی نصف حصہ ختم کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا انتخاب کتب خانہ ندوۃ العلماء کی ترتیب فہرست کے لئے عمل میں آیا اور وہاں سے تقدیر ان کو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں کلکتہ لے گئی اور چند سال ہوئے کہ پبلک اور نیشنل لائبریری پٹنہ میں لے آئی۔ اپنے عہدہ کی خدمات کی بجا آوری میں ان کا انہماک اس درجہ رہا کہ سیر المہاجرین کے باقی تمام مسودہ کی تکمیل سے ان کو دست کش ہونا پڑا۔ حسن اتفاق یہ کہ اس خدمت کے لئے ان ہی کے ہم نام ایک مدراسی بھائی کے نام قرعہ فال نکلا۔ جو اس کام کو پوری مستعدی سے انجام دے رہے ہیں۔

سیر المہاجرین کے متعدد حصے ہوں گے جن میں یہ پہلا حصہ ”خلفائے راشدین“ کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ مہاجرین بلکہ صحابہ میں ان چاروں بزرگوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ان کی ایک مستقل تاریخ کی مقتضی تھی اسی لئے اس حصہ میں کسی اور مہاجر صحابہ کا اضافہ نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لئے حروف تہجی کی ترتیب کی رعایت کی گئی۔ خلفائے اربعہ کے حالات اسی طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کے ذاتی احوال و سوانح اور اخلاق و فضائل کے ساتھ ان کے عہد کی سیاسی و انتظامی تاریخ بھی نظر کے سامنے آجائے اور اس بنا پر کتاب خلفائے راشدین کے حالات کے ساتھ خلافت راشدہ کے عہد کی پوری تاریخ بھی ہے۔ مؤلف نے اس کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حالات احادیث کی کتابوں سے اخذ کئے جائیں۔ جہاں اس میں ناکامی ہوئی ہے وہاں تاریخ کی مستند کتابوں، اخبار الطوال، تاریخ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور تاریخ الخلفاء وغیرہ سے مدد لی ہے لیکن نسبتاً ایسے مواقع کم آئے ہیں۔

سید سلیمان ندوی
ناظم دارالمصنفین - ۵ صفر ۱۳۴۶ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَ عَلٰی اٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ وَخَلَفَانِهٖ رَاشِدِیْنَ ط

اس سے پہلے کہ ”خلفائے راشدین“ کے حالات پڑھے جائیں، ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ کا مفہوم و منشاء سمجھ لیا جائے۔ خلافت کے لغوی معنی ”جانشینی“ اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے کے ہیں۔ یہ لفظ خود اپنے مفہوم و منشاء کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ، ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے۔ اسی کو ”امام“ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے پیش رو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے۔ اس بناء پر درحقیقت خلافت و امامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے۔ صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم سے پہلے بنی اسرائیل میں پیغمبر اور انبیاء سیاست کرتے تھے جب ایک پیغمبر مرتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا لیکن پیغمبری اب ختم ہو گئی، تم میں خلفاء ہوں گے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت، پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے۔ اسی لئے اُن امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو“۔ اسی لئے ایک پیغمبر کے انتخاب کے لئے ظاہری حیثیت سے اس کی سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت کو دیکھا جائے اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیرائی اور اس کے روحانی و علمی و اخلاقی فضائل و مناقب کی تلاش کرنی چاہئے۔ ان چار بزرگوں کا درجہ بدرجہ اس منصبِ اعظم کے لئے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح و توضیح ہے۔

اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کی تکمیل اس کے تحت میں آجاتی ہے لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جاسکتی ہے یعنی پیغمبر کے کاموں کو قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک و صاف رکھنا اور ان کو ترقی دینا۔ یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے یعنی ”اقامت دین“ لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل ہو جاتا ہے اور اقامت ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاة، اقامت حدود اور وعظ و پند و تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پاک زندگی ان ہی مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی اور آپ کے بعد جو لوگ آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے، انہوں نے بھی اپنی زندگی کو ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لئے وقف کیا۔ خلفاء کے دور بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے الگ الگ اشخاص مقرر تھے۔ مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام اشخاص سے متعلق تھا۔ برائیوں پر روک ٹوک کرنے کے لئے اور اشخاص معین تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا۔ قرآن و سنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے، لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے، اس لئے ان اشخاص کے لئے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہئے۔ لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پیغمبرانہ تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ پیغمبر جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلویحات کے ذریعہ ان ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے۔ زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں یہ منصب چلا گیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس کے لائق نہ تھے بلکہ ان کو صرف ظاہری طور پر ثقہ متدین پاکباز، پابند ارکان اسلام اور عالم بالکتاب و السنہ دیکھ کر امام و خلیفہ تسلیم کر لیا گیا لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے اور ان ہی فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کاملہ کا حقیقی مستحق صرف صحابہ کا گروہ تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں محمد ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لئے اس کو چن لیا اور آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آپ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپ کے اصحاب کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لئے ان کو اپنا وزیر بنا لیا،

جو آپ کے دین کی حفاظت کے لئے جنگ کرتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص قیود و اوصاف کا اضافہ کیا گیا جس سے خلافت کا مفہوم خدا و رسول کے منشاء کے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کے اشارات و تلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کیلئے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں:

(۱) خلیفہ مہاجرین اول میں سے ہو۔ صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر و تبوک میں شامل اور سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین اول کے متعلق فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا مَنَّاهُمْ فِي
الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

وہ لوگ جن کو ہم اگر زمین میں جگہ دیدیں
گے تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں
گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے
روکیں گے۔

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں۔ شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ
مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

محمد رسول اللہ ﷺ اور جو لوگ آپ کے
ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے جو لوگ سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كََمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي أَرْتَضَىٰ لَهُمْ (النور ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک
کام کئے، ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ
ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان
لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے جو ان سے پہلے
تھے اور ان کے اس دین کو جو ان کے لئے
پسند کیا ہے مضبوط کر دے گا۔

اب اس آیت میں "منکم" کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی اور نہ
اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان و عمل صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا۔ بہر حال اس

آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے اور اسکے ذریعہ سے دین کو استحکام حاصل ہوگا۔ شرکائے بدر و تبوک کے فضائل میں اس قسم کی آیات و احادیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ ان میں موجود تھے۔

(۲) وہ مبشر بالجنہ ہیں۔

(۳) وہ امت کے طبقہ علیاء یعنی صدیقین، شہداء، صالحین اور محدثین میں شامل ہو اور جنت میں ان کا درجہ بلند ہو۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ مستحق خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے اس کے استحقاقِ خلافت کا ذکر کیا ہو۔ ایسے قرآن بیان فرمائے ہوں کہ جن سے فقہاء صحابہ نے یہ سمجھا کہ اگر آپ ﷺ خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے۔ جو کام نبوت سے تعلق رکھتے ہوں، آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس سے لئے ہوں۔

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدے کئے ہوں وہ اس کی ذات سے پورے

ہوں۔

(۶) اس کا قول حجت ہو۔

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہ میں پائے جاتے تھے لیکن ان کا مجموعہ صرف خلفائے اربعہ کی ذات تھی۔ چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ تھا۔ یہ لوگ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ میں شریک تھے بدر، احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شریک تھے اور سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے، مبشر بالجنہ تھے۔ امت کے طبقہ علیاء سے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان پلنے لگی۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ ”تھہرتھہ پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہیں“۔

ہر ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیثیں وارد ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی نسبت ارشاد فرمایا ”کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہو گے، تم حوض کوثر پر میرے رفیق ہو اور غار میں میرے رفیق تھے“۔ حضرت عمرؓ کی نسبت ارشاد ہوا کہ ”گذشتہ امتوں میں محدثین تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے“۔ بہت سی آیتیں حضرت عمرؓ کی

رائے کے مطابق نازل ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔ حضرت عثمانؓ کی نسبت فرمایا کہ ”جس سے فرشتے شرماتے ہیں کیا میں اس سے نہ شرمائوں، ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہے۔“ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی نسبت ارشاد ہوا کہ ”کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اسکو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی مستحق تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ رحمدل ابو بکرؓ، خدا کے بارے میں سب سے زیادہ بولنے والے عمرؓ، سب سے زیادہ حیا دار عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”اگر تم لوگ ابو بکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو قوی امین پاؤ گے جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔“

ان اوصاف کے ساتھ جو کام منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ نے اپنی زندگی میں ان سے دو کام لئے ہیں۔ مثلاً ابو بکرؓ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنایا ہے اور امیر الحج مقرر فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے معاملہ میں ہمیشہ شیخین سے مشورے کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو بعض غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقاتِ مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں سفیر کا کام لیا ہے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدہ کئے تھے وہ ان کے زمانے میں پورے ہوئے۔ مثلاً اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تمکین و تقویتِ دین سے وہ وعدے پورے ہوئے جو آیت ان مَنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَلْحِ اور وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اَلْحِ میں کئے گئے تھے۔ اسلام کے مقابل میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ مُخْلَدًا کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیت مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ اَلْحِ کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا۔ آیت من آية منكم في مرتدين کی جنگ کی طرف جو اشارہ ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی ان عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنُهُ فِي كِتَابِي شُكْل میں قرآن مجید کی تدوین کی طرف جو اشارہ ہے اس کی تکمیل حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی کوششوں سے ہوئی۔ قتالِ خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو

پاتا تو عادی طرح قتل کر ڈالتا اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی۔
 امور دین میں خود رسول اللہ ﷺ کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا چنانچہ آپ
 نے فرمایا کہ ”تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع فرض ہے۔“
 حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد لوگوں میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کی تقلید
 کرو۔“

غرض اس قسم کے بے شمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے
 مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے اربعہؓ تھے اور ان
 کے کارنامہ ہائے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں، اس کی تصدیق کریں گے۔

معین الدین ندوی
 رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

حضرت ابو بکر صدیقؓ

خلیفہ اول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام و نسب خاندان

عبداللہ نام، ابو بکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی۔ اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: ام الخیر بنت سحر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ (۱)۔ اس طرح حضرت ابو بکرؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت ﷺ سے جا ملتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے والد

ابو قحافہ عثمان بن مرہ شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے۔ ابتداً جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے وہ اسلام کی تحریک کو باز پچھ اطفال سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابو قحافہ موجود تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔ (۲)

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابو بکرؓ صدیق کے ساتھ پارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اس کے بعد آپ نے نہایت شفقت سے

ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔ حضرت ابو قحافہؓ نے بڑی عمر پائی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابو بکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آنکھوں کی بصارت جاتی رہے تھی۔ ۱۲ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ (۱)

حضرت ابو بکرؓ کی والدہ

حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صحز کو ابتدا ہی میں حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے پہلے صرف انتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے۔ یہ قلیل جماعت باعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو بانگ دہل دین میں کی دعوت دے سکتی تھی، لیکن حضرت ابو بکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا۔ آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کی اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی۔ کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ صدیق کو نہایت بے رحمی اور خدانائسی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر بنی تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آ گیا اور انہوں نے عام مشرکین کے پتہ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا۔ شب کے وقت بھی حضرت ابو بکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے والد اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا پتہ دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن رقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو راہ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔ (۲)

حضرت ام الخیرؓ نے بھی طویل عمر پائی چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔ (۳)

قبل اسلام

حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی دیانت، راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے۔ ایام جاہلیت میں خوں بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا۔ اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے

یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے (۱)۔ حضرت ابو بکرؓ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسی زمانہ اسلام میں۔ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس اور خلوص تھا اور آپ کے حلقہ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ (۲)

اسلام

آنحضرت ﷺ کو جب خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سے حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بعض ارباب سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طویل قصے نقل کئے ہیں لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ابو بکرؓ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا۔ فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی۔ گذشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط و خال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرف حق کے لئے کوئی انتظار باقی نہ رہا۔ البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مورخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی حضرت ابو بکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت حسان بن ثابت کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے:

اذا تذکرت شجوا من اخي ثقة فاذا ذكر اخاك ابا بكر بما فعلا

خير البرية اتقاها واعدلها بعد النبي و اوفاهما بما حملا

والثاني التالي محمود مشهده واول الناس منهم صدق المرسلا

جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم آئے تو اپنے بھائی ابو بکرؓ کو یاد کرو ان کے کارناموں کی بناء پر

وہ تمام مخلوق میں نبی ﷺ کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے اور انہوں نے جو

کچھ اٹھایا اسکو پورا کر کے چھوڑا۔ وہی ثانی اور آپ ﷺ کے بعد متصل ہیں جنکی مشکلات

میں موجودگی کی تعریف کی گئی اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ عورتوں میں، حضرت علیؓ بچوں میں، حضرت زیدؓ بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت ابو بکرؓ صدیق آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔ (۱)

اشاعت اسلام

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لئے جدوجہد شروع کر دی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبد اللہ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ وہ اکابر صحابہ ہیں جو آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی حضرت ابو بکرؓ صدیق ہی کی ذات تھی۔ اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی۔ اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کیساتھ عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نہایت رفیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ (۲)

مکہ کی زندگی

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ، غرض ہر حیثیت سے آپ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے۔ آنحضرت ﷺ روزانہ صبح و شام حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ (۳) قبائل عرب اور عام مجموعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لئے جاتے تو یہ بھی ہمراہ ہوتے اور نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے۔ (۴)

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد

① فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۰ ② بخاری باب الهجرة النبویة ﷺ وصحابہ الی المدینہ ③ ایضاً

④ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۹ فضائل ابی بکر صدیقؓ

کر دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ، بنی مویلؓ اور بنت نہدیہ وغیرہ نے اسی صدیقؐ کو جو دو کرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت ﷺ پر دست تعدی درازی کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، حضرت ابو بکرؓ نے بڑھ کر کہا ”خدا تم سے سمجھے، کیا تم صرف ان کو اس لئے قتل کر دو گے کہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں“ (۱) اسی طرح ایک روز آنحضرت نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا۔ اس وقت اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ پہنچ گئے اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا ”کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟“ (۲)

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ میں رشتہ مصاہرت مکہ ہی میں قائم ہوا یعنی حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی (۳)۔

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی

ابتداءً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقہ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انہوں نے اس تحریک کا سد باب کرنا چاہا۔ ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے جانثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو ستم زدوں کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس داروگیر سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ ان کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابو بکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی (۴)۔ ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لی اور رحمت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے۔ جب آپ مقام برک الغما میں پہنچے تو ابن الدغنه رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابو بکر کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا

① فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹ ② بخاری باب مالتی النبی واصحابہ من المشرکین بمکہ ③ باب تزویج النبی عائشہ

④ طبقات ابن سعد قسم اول ثالث ص ۱۹۳۔ یہ واقعہ کی روایت ہے

ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنے نے کہا کہ تم سا آدمی جلا وطن نہیں کیا جاسکتا۔ تم مفلس و بے نوا کی دست گیری کرتے ہو قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنے کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے۔ ابن الدغنے نے قریش میں پھر کراعلان کر دیا کہ آج سے ابو بکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلا وطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے، قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنے کی امان کو تسلیم کیا لیکن فرمائش کی کہ ابو بکرؓ کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھے اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عبادت الہی کے لئے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی، کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا۔ انہوں نے ابن الدغنے کو خبر دی کہ ہم تمہاری ذمہ داری پر ابو بکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بد عقیدہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تم انہیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آ جائیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدغنے نے ابو بکرؓ صدیق سے جا کر کہا: تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اس لئے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بد عہدی کی، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے نہایت استغناء کے ساتھ جواب دیا کہ ”مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لئے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔“ (۱)

ہجرت مدینہ اور خدمت رسول

کفار و مشرکین کا دستِ ستم روز بروز زیادہ دراز ہوتا گیا تو آپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا اس وقت تک مدینہ کی سر زمین نور اسلام سے سے منور ہو چکی تھی اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی۔ اس لئے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزل قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن بارگاہِ نبوت سے یہ حکم ہوا کہ ابھی عجلت سے کام نہ کرو۔ امید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے نہایت تعجب سے پوچھا: ”میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا آپ کو بھی ہجرت

کا حکم ہوگا؟“ ارشاد ہوا ”ہاں!“ عرض کی ”یا رسول اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو۔“ فرمایا ”ہاں! تم ساتھ چلو گے۔“ اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ عموماً صبح و شام حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول ناوقت تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو۔ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے پھر ہمراہی کی تمنا ظاہر کی۔ ارشاد ہوا ہاں تیار ہو جاؤ۔ وہ تو چار مہینے سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رزح سفر درست کیا۔ حضرت اسماء کو توشہ دان باندھنے کے لئے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا اور دربار نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے پہلے ہی سے دواونٹ تیار کر لئے تھے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے۔ اسی طرح نبی ﷺ و صدیق کا مختصر قافلہ راہی مدینہ ہوا۔ (۱)

اس قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا، جو سوراخ اور بھٹ نظر آئے ان کو بند کیا، پھر آنحضرت ﷺ سے اندر تشریف لانے کیلئے عرض کیا۔ آپ اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیقِ مونس کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا، لیکن اس خادمِ جانثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز ہونا گوارا نہ کیا اور خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس پر پاؤں رکھ دیا۔ سانپ نے کاٹ لیا زہر اثر کرنے لگا درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی کہ اس سے خوابِ راحت میں خلل اندازی ہوگی۔ اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت ﷺ کے چہرہ انور پر ٹپکا جس سے حضور بیدار ہو گئے اور اپنے مخلص نمگسار کو بے چین دیکھ کر فرمایا ابوبکر کیا ہے؟ عرض کی ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، سانپ نے کاٹ لیا۔“ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔ (۲)

حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آ کر ان کی اطلاع کرتے رہنا، اسی طرح اپنے

غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرائیں اور رات کے وقت غار کے پار لے آئیں۔ چنانچہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہ ان کے نشان قدم پر بکریاں لاتے تاکہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو۔ رات کے وقت انہی بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا۔ غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کارروائی اس احتیاط سے عمل میں آتی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہو۔ (۱)

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی سے اسی روز قریش کی مجلس ملی سے آپ ﷺ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آچکی تھیں۔ چنانچہ ابو جہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کا شانہ اقدس کا محاصرہ رکھا لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا۔ وہاں سے حضرت ابو بکر صدیق کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماءؓ سے ان کے والد کو دریافت کیا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابو جہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ (۲)

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے۔ اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو (۱۰۰) اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ چنانچہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام کی طمع میں آپ کی تلاش شروع کی۔ مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ یا سنسان میدان ایسا نہ ہوگا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس پہنچی، اس وقت حضرت ابو بکر صدیق کو نہایت اضطراب ہوا اور حزن و یاس کے عالم میں بولے "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لئے جائیں گے"۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا مایوس و غمزدہ نہ ہوں ہم صرف دو نہیں ہیں، ایک تیسرا (یعنی خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے۔ (۳) اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابو بکر صدیق کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل امدادِ غیبی کے یقین پر لازوال جرأت و استقلال سے مملو ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غارت تک پہنچے تھے ان کو مطلق محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہر مقصود اسی غار میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

چوتھے روز یہ کارواں آگے روانہ ہوا۔ اب اس میں بجائے دو کے چار آدمی تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو راستہ کی خدمات کے لئے پیچھے بٹھالیا ہے۔ عبد بن اریق

① بخاری جلد ۲ باب بنیان اللججہ، باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ

② سیر ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹ ③ مسلم فضائل ابی بکر الصدیقؓ

آگے آگے راستہ بناتا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ مہبط وحی والہام کی حفاظت کے لئے کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں سراقہ بن جشم قریش کا ہرکارہ گھوڑا اڑاتا ہوا قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے خوفزدہ ہو کر کہا ”یا رسول اللہ! یہ سوار قریب پہنچ گیا“۔ ارشاد ہوا، ”تم لگین نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے“۔ بارگاہ رب العالمین میں دعا کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اتر کا پانسہ پھینک کر فال نکالی۔ جواب آیا کہ اس تعاقب سے دستبردار ہو جاؤ۔ نہ مانا، پھر آگے بڑھا پھر وہی واقعہ پیش آیا۔ مجبور ہو کر امان طلب کی اور واپس آ گیا۔ (۱)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نہایت کثیر الاحباب تھے۔ راہ میں بہت سے ایسے شناسا ملے جو آنحضرتؐ کو پہچانتے نہ تھے۔ وہ پوچھتے تھے کہ ابو بکرؓ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے رہنما ہیں۔ غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کر کے اپنے محبوب آقا کے لئے استراحت کا سامان بہم پہنچایا اور خود کھانے کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اس میں کوئی دودھاری بکری بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا ہمیں دودھ دو گے؟ اس نے رضامندی ظاہر کی تو آپ نے ہدایت کی کہ پہلے تھن کو اور ہاتھوں کو گردوغبار سے اچھی طرح صاف کر لو۔ اس نے حسب ہدایت وہ دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے ٹھنڈا کرنے کے لئے اس میں تھوڑا سا پانی ملایا اور کپڑے سے چھان کر خدمت بابرکت میں لائے۔ آپؐ نے نوش کیا اور دوسری منزل کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ (۲)

اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا بارہویں ربیع الاول سنہ نبوت کے چودہویں سال مدینہ کے قریب پہنچا۔ انصارؓ کو آنحضرتؐ کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا وہ نہایت بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آپؐ شہر کے قریب پہنچے تو انصار استقبال کے لئے نکلے اور ہادی برحق کو حلقہ میں لے کر شہر قبا کی طرف بڑھے۔ آنحضرتؐ نے اس جلوس کو داہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انصار جو ق درجوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ آنحضرتؐ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔ بہت سے انصار جو پہلے آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابو بکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہاں

تک کہ جب آفتاب سامنے آنے لگا اور جانثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدار پر سایہ کیا تو اس وقت خادم و مخدوم میں امتیاز ہو گیا اور لوگوں نے رسالت مآب ﷺ کو پہچانا۔ (۱)
 حضرت سرور کائنات ﷺ قبا میں چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت خارجہ بن زید ابن ابی زہیر کے مکان میں فروکش ہوئے (۲)۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے اہل و عیال بھی حضرت طلحہؓ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے (۳)۔ لیکن مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لئے نہایت ناموافق ہوئی۔ خصوصاً حضرت ابو بکرؓ ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حال پوچھا تو اس وقت یہ شعر و زبان تھا۔

کل امرء مصبح فی اہلہ و الموت ادنی من شراک نعلہ
 ہر آدمی اس حالت میں اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمہ سے بھی قریب تر ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

اللَّهُمَّ حَبِّبْنَا الْمَدِينَةَ
 اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ
 كَحُبِّنَا مَكَةَ اَوْ اَشَدَّ
 مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر
 وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي
 اس کو بیماریوں سے پاک فرما، اسکے صاع
 صَاعِهَا وَمَدِّهَا وَانْقُلْ حَمَاهَا
 اور مد میں برکت دے اور اس کے (دوبائی)
 فَاجْعَلْهَا بِالْحَجْفَةِ
 بخار کو حجفہ میں منتقل کر دے۔

دُعا مقبول ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لئے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی۔

مواخات

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کی باہمی اجنبیت و بیگانگی دور کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرادیا۔ اس مواخات میں طرفین کے اعزاز و مرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی برادری حضرت حارثہ بن زہیرؓ سے قائم کی گئی جو مدینہ

① بخاری باب ہجرت النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ ② طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۲۳

③ ایضاً ص ۱۵۳ ④ بخاری باب مقدم النبی واصحابہ الی المدینہ

میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے (۱)۔
تعمیر مسجد

مدینہ اسلام کے لئے آزادی کی سرزمین تھی، فرزند ان توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی و اجتماع کے ساتھ معبود حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل ہوا۔ اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا، اس کے لئے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گو ان کے اولیاء و اقرباء بلا قیمت پیش کرنے پر مصر تھے تاہم رحمت العالمین (ﷺ) نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ سے اس کی قیمت دلوادی۔ (۲)

اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے اجر کرم نے اسلام کے لئے جو دو سخا کی بارش قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ پیر مرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا۔

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشر و اشاعت کا وقت آ گیا تھا لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور نوک سناں سے وابستہ سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے اس نے ہمیشہ علم بردار اسلام کو اپنی جنگجویی سے منبر و عظ و ہدایت کو چھوڑ کر میدانِ رزم میں آنے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبر ایک مشیر و وزیرِ با تدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔

غزوة بدر

غزوة بدر حق و باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا اور وہی پیر مرد جس نے اپنے وعظ سے عثمان بن عفان، ابو عبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمن بن عوف جیسے اولوالعزم اکابر صحابہ کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا تھا نہایت جاں بازی کیساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حفاظت میں مصروف تھا۔ کفار و مشرکین ہر طرف سے نزعہ کرتے آتے اور یہ ایک ایک کو شجاعتِ خداداد سے بھگا دیتا تھا۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کفار کی کثرت دیکھ کر محزون ہوتے اور سر بسجود ہو کر خدا سے دعا فرماتے ”اے خدا مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ اور اپنا عہد پورا کر اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہ ہو“۔ اس عالمِ حزن و یاس میں آنحضرت ﷺ کا قدیم مونس با وفا اور ہمدنمگسار شمشیر برہنہ آپ کی حفاظت میں مصروف ہوتا اور تسلی اور دلہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے۔ (۲)

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابو بکر حضور انور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل نہ ہوئے۔ ایک دفعہ ردائے مبارک شانہ اقدس سے گر گئی، فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ

دی۔ پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے۔ درحقیقت یہی وہ دارنگی جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سر بلند کیا۔ (۱)

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر۰ قیدی ہاتھ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کہا صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں اسلئے ان کے ساتھ رحم و تلافی کا برتاؤ کرنا چاہئے اور قیدی لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہئے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ صدیق کی رائے پسند آئی۔ (۲)

غزوہ احد

بدر کی شکست مکہ کے قریش کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا۔ انہوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا۔ اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ آنحضرت ﷺ سخت مجروح ہوئے اور لوگ آپ کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا ”کیا قوم میں محمد ہیں؟“ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کو رئیس امت سمجھتے تھے۔

اختتام جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت ان کے تعاقب میں روانہ کی گئی حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شامل تھے (۴)۔ غزوہ احد کے بعد بنو نضیر کی جلا وطنی غزوہ خندق اور جو دوسرے غزوات پیش آئے، حضرت ابوبکرؓ ان سب میں برابر کے شریک تھے۔

غزوہ مصطلق اور واقعہ افک

۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی اور شب کے وقت مدینہ کے قریب تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ صبح کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئیں واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہیں گر گیا۔ تلاش کرتی ہوئی پھر اس طرف چلیں۔ لیکن جب ڈھونڈ کر پڑاؤ پر واپس پہنچیں تو لوگ روانہ ہو چکے تھے۔ اسی

① فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵ ② مسلم باب امداد الملائکہ وغزوہ بدر ③ بخاری باب غزوہ احد

④ بخاری باب المغازی باب الذین استجابوا للہ والرسول

جگہ ٹمگین و ملول بیٹھ گئیں۔ اتفاقاً صفوان بن المعطلؓ نے جو نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے، حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے۔

منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں مشتہر کیا۔ دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ صدیق اور خود حضرت عائشہؓ کو بارگاہِ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ، تقرب اور اعزاز حاصل تھا، اس لئے بعض مسلمانوں کو بھی آمادہ رشک کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس افتراء میں منافقین کی تائید کی۔ سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا ایک پروردہ نعمت اور عزیز مسطح بن اثاثہ جس کے وہ اب تک متکفل تھے اس سازش میں افترا پردازوں کا ہم آہنگ تھا۔

عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ کے لئے نہایت روح فرسا آزمائش تھی۔ لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دیدی اور وحی الہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی:

ان الذین جاءوا بالافك
غصبة منكم لا تحسبوہ
شرا لكم بل هو خیر لكم ط
لكل امرئ منہم ما اكتسب
من الاثم والذی تولی کبرہ
منہم لہ عذاب عظیم

(سورۃ نور ع ۲)

حضرت ابو بکرؓ اس برأت کے بعد مسطح بن اثاثہ کی کفالت سے دستبردار ہو گئے اور فرمایا ”خدا کی قسم! اس فتنہ پردازی کے بعد اس کی کفالت نہیں کر سکتا۔ لیکن جب یہ آیتیں نازل ہوئی: تم میں بڑے صاحب مقدرت لوگ رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین کو امداد نہ دینے کی قسم کھائیں اور چاہئے کہ (انکے قصور) معاف کریں اور ان سے درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش

وَلَا يَأْتِلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى
الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينِ
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَلِيَصْفَحُوا لَا تُحِبُّونَ أَنْ

يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ

دے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحمت والا ہے

رُحِيمٌ

(نور ع ۳)

تو حضرت ابو بکر صدیق نے کہا ”خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا کفیل رہوں گا۔ (۱)

واقعه حدیبیہ

اسی سال یعنی ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و خونریزی نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اس لئے تشریف لے چلئے۔ جو کوئی اس راہ میں سدِ راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”بسم اللہ چلو! عرض آگے بڑھ کر مقام حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہو گئے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے تمام جانثاروں سے جہاد کی بیعت لی۔ یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں ”بیعت رضوان“ کے نام سے مشہور ہے۔ (۲)

قریش مکہ ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے اور مصالحت کے خیال سے عمرو بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ”محمد! خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ تم سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔“ اس جملے نے جاں نثارانِ رسول پر نشتر کا کام کیا۔ حضرت ابو بکرؓ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا: ”کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟“ عمرو نے انجان بن کر پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابو بکرؓ۔ اُس نے مخاطب ہو کر کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں تمہارا زیر بارِ احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا۔ ۳ حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا اس بناء پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اس قدر دُوب کر کیوں صلح کی جاتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ محرم اسرارِ نبوت تھے، فرمایا آنحضرت خدا کے رسول ہیں، اس لئے آپ کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے۔ (۴)

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ اطمینان ہوا تو کعبہ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، پہلے

① یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الالف سے ماخوذ ہے ② بخاری باب غزوة حدیبیہ

③ بخاری کتاب الشروط فی الجہاد و المصالحہ مع اہل الحرب ④ ایضاً

حضرت ابو بکر صدیقؓ سپہ سالار تھے۔ لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ خیبر ان ہی کے ہاتھ مفتوح ہوا۔ (۱) اور حضرت ابو بکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مامور ہوئے۔ (۲) وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو بنو فزارہ کی تنبیہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کئے گئے اور بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ (۳)

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۵ھ میں رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد فرمایا اور فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ہمراہ تھے۔ مکہ پہنچ کر اپنے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کو دربارِ نبوت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نورِ ایمان سے مشرف فرمایا۔ (۴)

مکہ سے واپسی کے وقت بنو ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے، یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت ابو بکرؓ کے اوائلِ خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ (۵)

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے جنگی تیاریوں کے لئے صحابہ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ تمام صحابہؓ نے حسبِ حیثیت اس میں شرکت کی۔ حضرت عثمانؓ دولت مند تھے اس لئے بہت کچھ دیا لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابو بکرؓ کا امتیاز قائم رہا۔ گھر کا سارا اثاثہ لاکر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ہے۔ (۶)

غرض اس سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی اور حد و دشام کی طرف بڑھی۔ لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لئے سب لوگ واپس آ گئے۔ (۷)

① بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب ② زرقاتی ج ۲ ص ۳۸۷ ③ مسلم باب التفصیل و فداء المسلمین بالاساری ④ اصابتہ تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر ⑤ اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق ⑥ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر ⑦ طبقات ابن سعد حصہ مغازی

امارت حج

اسی سال یعنی ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ (۱) چونکہ سورہ برأت اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارت حج کی خدمت بھی حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی۔ لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف کے تہا مالک تھے۔ (۲)

① بخاری باب حج ابی بکر بالناس فی سنیۃ تسع ② فتح الباری ج ۸ ص ۴۰

آنحضرت ﷺ کی وفات اور حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت

• اچھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ ہمراہ تھے۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا:
”خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا، لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی۔“

حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر رونے لگے لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع تھا، (۱) لیکن درحقیقت ان کی فراست دینی اس کنایہ کی تہہ تک پہنچ گئی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذاتِ اقدس ﷺ ہے۔ چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے، مرض روز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے اور حکم ہوا کہ ابو بکرؓ امامت کی خدمت انجام دیں۔ حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابو بکرؓ کو عطا کیا جائے گا تو وہ محسود خلاق ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ ابو بکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں اس لئے یہ منصب جلیل عمر کو عطا کیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے ابو بکرؓ کی امامت کے لئے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہو کر فرمایا ”تم وہی ہو جنہوں نے یوسف کو دھوکہ دینا چاہا تھا“۔ (۲)

حضرت ابو بکرؓ کو جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ۔ انہوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔ (۳) غرض اس روز سے حضرت ابو بکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔ ایک روز حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود ان

① بخاری باب فضائل الصدیقین ② بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامة ③ ایضاً

کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ (۱)

۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے روز جس دن آنحضرت ﷺ نے وفات پائی حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر مسکرائے تو حضرت ابو بکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لئے تشریف لائیں گے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور پھر پردہ گرا دیا۔ (۲) چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت ﷺ کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ نماز کے بعد اجازت لے کر مقام سخ کو جہاں ان کی زوجہ محترمہ حضرت خارجہ بنت زہیر رہتی تھیں، تشریف لے گئے۔ (۳) حضرت ابو بکرؓ صدیق سخ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بابی بکر انت وامی واللہ لا
یجمع اللہ علیک موتین
اما الموتۃ التی کتبت
علیک فقد ذقتھا ثم لن
تصیبک بعدہ موتۃ ابداً

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم! آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت جو آپ کے لئے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے اس کے بعد اب پھر کبھی موت نہ آئے گی۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ جوش وارفنگی میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ کے انتقال فرمانے سے انکار فرمانے سے انکار کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا ”عمر! تم بیٹھ جاؤ“ لیکن انہوں نے وارفنگی میں کچھ خیال نہ کیا تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اما بعد فمن کان یعبد
محماً فان محماً اقد مات
ومن کان یعبد اللہ فان اللہ
حی لا یموت قال اللہ تعالیٰ

اگر لوگ محمد کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مر گئے اور اگر خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا، خدائے برتر فرماتا ہے ”محمد صرف ایک رسول ہیں جن

① بخاری باب من قام الی جنب الامام بعلة

② بخاری باب ابل العلم والفضل احق بالامانة

③ بخاری باب الدخول علی میت بعد الموت

④ ایضاً

⑤ ایضاً

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الْآيَةَ

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا۔ خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی باموقع تھی کہ اسی وقت زبان زد خاص و عام ہو گئی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہ ہوئی تھی۔ (۱)

سقیفہ بنی ساعدہ

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست و گریباں ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا لیکن خدا کو تو حید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا۔ اس لئے اس نے آسمان اسلام پر ابوبکر و عمر جیسے مہر و ماہ پیدا کر دیئے تھے جنہوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افق اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کا فور کر دیا۔

حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو ساتھ لئے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔ ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن وقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے۔ پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ غرض ان دفتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکر نے کہا ”امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے“ اس پر حضرت خباب بن المنذر انصاری بول اٹھے، ”نہیں، خدا کی قسم نہیں۔ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا“۔ حضرت ابوبکر نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا:

”صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابو عبیدہ

بن الجراح اور عمر بن خطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔“
لیکن حضرت عمر نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا:

”نہیں بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں

میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔“ (۱)

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی با اثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لئے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کیلئے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رُک گیا اور لوگ رسول اللہ ﷺ کی تجھیز و تکلفین میں مشغول ہوئے۔

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ صدیق نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح فرمائی:

صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں
حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر
نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم
میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف
جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو؛ صدق امانت ہے
اور کذب خیانت ہے ان شاء اللہ تمہارا
ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے
یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں؛
ان شاء اللہ اور تمہارا قوی مرد بھی میرے
ز نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس
سے دوسروں کا حق دلا دوں جو قوم جہاد فی
سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل
و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری
عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی
عام کر دیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسول
کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو
لیکن جب خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی

یا ایہا الناس فانی قد ولت
علیکم ولست بخیر کم
فان احسنت فاعینونی وان
اسات فقومونی الصدق
امانة والكذب خیانة
والضعیف فیکم قوی
عندی حتی ازیح علیہ حقہ
انشاء اللہ والقوی فیکم
ضعیف عندی حتی اخذ
الحق منه ان شاء اللہ لا یدع
قوم الجہاد فی سبیل اللہ
الا ضربہم اللہ بالذل ولا
تشیع الفاحشۃ فی قوم قط
الاعمہم اللہ بالبلاء و اطعیونی
ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا
عصیت اللہ ورسولہ فلا

کروں تو تم پر اطاعت نہیں۔ اچھا اب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے۔

طاعة لى عليكم قوموا لى
صلا تكم يرحمكم الله

حضرت علیؑ کی بیعت

گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ تاہم حضرت علیؑ اور ان کے بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی۔ اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب و غریب مباحث پیدا کر دیئے جن کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت علیؑ، رسول اللہ ﷺ سے اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزو مند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں۔ تاہم ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا، اس لئے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو۔ اس بنا پر دیکھنا چاہئے کہ خود حضرت علیؑ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے:

محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابو بکرؓ کی بیعت گئی تو علیؑ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے ابو بکرؓ نے کہلا بھیجا کہ میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے؟ کیا آپ میری اطاعت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؑ نے کہا کہ میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا۔ (۱)

عن محمد بن سيرين قال
لما بويع ابو بكر ابطاً علي
في بية و جلس في بية قال
فبعث ابو بكر ما ابطاك
عن اكرهت امارتي قال
علي ما اكرهت امارتك
ولكن اليت ان لا ارتدى رد
الى اليت الى صلوة حتى
اجمع القرآن

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باغِ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے (جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا) خلیفہ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کر دیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ نے محض ان کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ کو تنہا بلا کر ان کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے آپ

کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر ہم اس میں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہٴ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جواب دیا ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول ﷺ کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی متروکہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا۔“

غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہو گیا اور بعد نمازِ ظہر حضرت ابو بکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؑ کی طرف عذر خواہی کی اور حضرت علیؑ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا۔

خلافت

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات، مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدینِ اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھی۔ منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہؓ بن زید کی مہم بھی درپیش تھی جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اسکو بلتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا جائے۔ لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی ﷺ اور حکم رسالتِ مآب معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ ﷺ کے ایما سے روم کے مقابلہ کیلئے بلند کیا گیا تھا اسکو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے۔ چنانچہ آپ نے برہم ہو کر فرمایا ”خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا“ (۱)

اسامہ بن زیدؓ والی مہم

غرض خلیفہ اول نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کے ان کو نہایت زریں ہدایات فرمائیں۔ چونکہ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے تعظیماً عرض کی کہ ”اے جانشین رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اترتا ہوں“۔ بولے ”اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں، غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں“۔ (۲)

حضرت اسامہؓ کی مہم رخصت ہو کر حد و شام میں پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زیدؓ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع

سرور کائنات ﷺ ہی کی زندگی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے صحابہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری۔ سرور کائنات نے اس کا جواب دیا تھا:

من محمد رسول الله الى
مسیلمة کذاب اما بعد فان
الارض لله یورثها من یشاء
من عباده والعاقبة للمتقين

محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو
اما بعد دنیا خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں
سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا
اور انجام پر ہیزاروں کے لئے ہے۔ (۱)

لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی۔ چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا، بنو غطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔ اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی اور یہ مرض و بلاء کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی اس بناء پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لئے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا؟ حضرت علیؓ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تمام تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے اس لئے قرعہ انتخاب حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ اللہ میں حضرت ثابت ابن قیس انصاریؓ کیساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لے کر مدعیان نبوت کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے (۲)۔

حضرت خالد بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے تبعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصین کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور عیینہ بن حصین نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ بھیجے اور تجدید اسلام کر کے حلقہ مومنین میں داخل ہو گیا۔ (۳)

مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرجیل بن حسنہ روانہ کئے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتداء کریں حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی اعانت کے لئے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ انہوں

مجاہد کو شکست دی۔ اس کے بعد خود میلہ سے مقابلہ ہوا۔ میلہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوئی جس میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور میلہ کذاب حضرت وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ میلہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔ (۱)

اسود غسی نے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی، اس کو قیس بن مکشوح اور فیروز دلمی نے نشہ کی حالت میں واصل جہنم کیا۔ (۲)

مرتدین کی سرکوبی

حضرت سرور کائنات ﷺ کے بعد بہت سے سرداران عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا۔ چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا۔ لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اسی طرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے مدعیان نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اس طوائف المملوک کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ علاء بن حضرمی کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا۔ اسی طرح حذیفہ بن محسن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کرا کے سر زمین عمان کو پاک کیا اور زیاد بن لبید کے ذریعہ سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی۔ (۳)

منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ

مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا اس لئے اس کے خلاف تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابہؓ میں اختلاف رائے ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے تشدد صاحب رائے بزرگ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اول کا غیر متزلزل ارادہ استقلال اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا، صاف کہہ دیا 'خدا کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا (۴)

① تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵ ② تاریخ طبری ص ۱۸۶۳ ③ ایضاً ④ بخاری ج ۱ ص ۱۸۸

جمع و ترتیب قرآن

مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہو گیا کہ اگر صحابہؓ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے خلیفہ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے اس کو میں کس طرح کروں؟ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کام اچھا ہے اور ان کے بار بار اصرار سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہد نبوت میں کاتب وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کو بھی اس کام میں عذر ہوا۔ لیکن پھر اس کی مصلحت سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔ (۱)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہد نبوت میں کلام مجید کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے اس لئے عہد صدیق میں جو کام انجام پایا وہ ان ہی آیات و سورتوں کو باہم مرتب کرنا تھا۔ لیکن یہ ایک افسوس ناک غلطی ہے۔ درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر آیت الہامی ہے۔ اسی طرح آیات و سورتوں کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور خود مبہط وحی و الہام ﷺ کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پائے تھے۔ چنانچہ ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔

کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں

قرآن شریف کی آیتیں عموماً کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آجانے پر نازل ہوتی تھیں اور صحابہؓ ان کو کھجور کی شاخ، ہڈی، چمڑے، پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے تھے۔ جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہو جاتی تھی۔ کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں اور آنحضرت ﷺ دونوں کو الگ الگ لکھواتے جاتے۔ غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار پائے تھے۔ حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں یا فلاں سورۃ سے فلاں سورۃ تک تلاوت فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے نماز میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، سورہ فاتحہ اور سورہ

اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی۔

حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا

علامہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

قد اعلم الله تعالى في القرآن
بانه مجموع في الصحف
في قوله يتلوا محفوا مطهرة
الاية و كان القرآن مكتوبا
في الصحف لكن كانت
متفرقة فجمعها ابو بكر في
مكان واحد ثم كانت بعده
محفوطة الى ان امر عثمان
بالنسخ منها عدة مصاحف
وارسل بها الى الامصار

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں
اپنے قول "یتلوا صحفاً مطهرة"
الایۃ میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن
صحیفوں میں جمع ہے قرآن شریف
صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن
متفرق تھا، حضرت ابو بکرؓ نے ایک
جگہ جمع کر دیا، پھر ان کے بعد محفوظ
رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے
متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے
شہروں میں روانہ کر دیئے۔ (۱)

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف قرآن شریف کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔ صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا

حضرت زید بن ثابتؓ کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابو بکرؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرمایا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں۔ البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے عاریتہ لے کر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات میں روانہ کر دیئے۔ لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔ جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا۔ لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تاحیات اپنے پاس محفوظ رکھا ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر اس کو ضائع کر دیا۔ (۲)

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام پر رومی پھر براہر رہا تھا، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا۔ ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں۔ خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لئے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں۔ بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجیں اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا۔ چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرماں روا تھا۔ اسکے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے تھے۔ اسی طرح ساہور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا۔ جو روسائے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ انکے شانے اکھڑا ڈالتا تھا۔ اسی سے عرب میں ”ذوالاکتاف“ یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا (۱) لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی، اسی لئے جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں۔ چنانچہ فرماں روا یان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرماں روا عمر بن عدی نے خیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ گوشاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا اور بالآخر اپنی سلطنت کا ایک جزو بلا لیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمراں رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین میں آباد ہوتے رہے۔ غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی، چنانچہ جنگ ذی قار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا: (۲)

ہذا اول یوم انتصفت یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا

العرب من العجم

اسی طرح ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو پرویز شہنشاہِ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا ”میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے“۔ (۱)

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا، عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلیم، غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آبا ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدودِ شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی اور ۶ھ میں حضرت وحیہ کلبی قیصر روم کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ (۲) اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر کو بصری کے حاکم عمر بن شرجیل نے قتل کر دیا۔ ۸ھ میں غزوہ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ کام آئے۔ (۳)

۹ھ رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں، لیکن جب خود رسول اللہ ﷺ پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی۔ تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامن گیر تھا۔ چنانچہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسی حفظِ ما تقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زید کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ہدف بنا ہوا تھا۔ خصوصاً اسلام کی روز افزوں ترقی نے انہیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا جو اس عربی نونہال کے لئے حد درجہ خطرناک تھا۔ خلیفہ اول نے ان ہی اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مہم عراق

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلابِ حکومت و طوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت و شان کو کھو چکی تھی۔ یزدگرد شہنشاہِ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی۔ عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختہ مشق رہ چکے تھے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے۔ چنانچہ موقع پا کر نہایت زور و شور کے ساتھ اٹھ کھڑے

① طبری ص ۱۵۷۲ ② اسد الغابہ تذکرہ وحیہ بن خلیفہ کلبی ③ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

ہوئے اور قبیلہ وائل کے دوسرے دارمقی اشیبانی و سوید عجمی نے تھوڑی تھوڑی سی حمیت بہم پہنچا کر حرہ و اہلہ کے نواح میں غارت گری شروع کر دی۔

ثنیٰ اسلام لاپچکے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیانِ نبوت و مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ ثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقا، کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہانِ عجم کے حدود میں داخل ہو گئے۔ یہاں شاہِ جاپان سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی۔ پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے۔

نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا۔ یہاں سے خورق پہنچے لیکن اہل خورق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیرِ نگیں ہو گیا۔ (۱)

حملہ شام

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابو بکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لئے علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، حمص پر یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر شرجیل بن حسنہ اردن پر اور عمرو بن العاصؓ فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر افسرانِ اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا بارگاہِ خلافت کو غنیمت کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لئے لکھا چونکہ اس وقت دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو نہایت انتشار ہوا۔ اور اسی وقت حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ ثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ فرمان پہنچتے ہی حضرت خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۲)

① تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۷۔ یہ سلاطینِ ایرانی حکومت کے باجگدار تھے

② تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری ص ۱۱۶

حضرت خالد بن ولیدؓ گوراء میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں؛ چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سدراہ ہوئی۔ عقبہ بن ابی ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی۔ وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی۔ ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کیئے گئے۔ پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے۔ اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی۔ تدمر سے گزر کر حوران آئے۔ یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی۔ اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے اور متحدہ قوت سے بصری، فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا۔ اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن انجام کار میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا اور جمادی الاول ۳ھ سے اجناء دین ہمیشہ کے لئے اسلام کا زیر نگیں ہو گیا۔ (۱)

اجناء دین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس لئے اس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی۔

متفرق فتوحات

عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا۔ انہوں نے توج، مکران اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو زیر نگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرت زاذہ پر مامور ہوئے انہوں نے زاذہ اور اس کے اطراف کو زیر نگیں کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام مرد، عورت شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔ (۲)

مرض الموت استخلاف حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ پیام اجل پہنچ گیا۔ حضرت عائشہؓ قرمانی ہیں کہ ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خنک تھا، آپ نے غسل فرمایا۔ غسل کے بعد بخار آ گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا۔ اس اثناء میں مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی تو صحابہ کرامؓ کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ ”عمرؓ کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں“۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ”میرے خیال میں حضرت عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے“۔ لیکن بعض صحابہؓ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھی۔ چنانچہ حضرت طلحہ عیادت کے لئے آئے تو شکایت کی کہ آپ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے جواب دیا ”جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو ان کو خود نرم ہونا پڑے گا“۔ اسی طرح ایک دوسرے صحابی نے کہا، آپ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں ذرا سوچ لیجئے آپ خدا کے یہاں جا رہے ہیں وہاں کیا جواب دیجئے گا۔ فرمایا ”میں عرض کروں گا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سے اسکو منتخب کیا ہے جو ان میں سب سے اچھا ہے“۔ غرض سب کی تشفی کردی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکاراٹھے اور کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنادے اور خود بالا خانہ پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب

کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔ تمام حاضرین نے اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔ (۱)

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی۔ حضرت عائشہؓ کو انہوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دیدی تھی لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔ اس لئے فرمایا جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے۔ کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر لو گی؟ حضرت عائشہؓ نے حامی بھری تو آپ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لئے وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں۔ عائشہؓ! میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہے، اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔ گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کا شانہ صدیقی سے برآمد نہیں ہوئی۔ (۲)

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لئے نیا ہونا چاہئے۔ فرمایا ”زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں، میرے لئے یہی پھٹا پرانا بس ہے“ اس کے بعد پوچھا آج دن کون سا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دو شنبہ۔ پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دو شنبہ کے روز۔ فرمایا ”تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں“۔ چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی۔ یعنی دو شنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ (۳) اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمرؓ فاروق نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائنات کا رفیق زندگی آپ ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کیلئے جنت میں پہنچ گیا۔

① طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ وصیت ابو بکر صدیق ص ۴۲ ② طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۱

③ طبقات ابن سعد

کارنامہ ہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جو لازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیان نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں۔ منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشید دو عالم ﷺ کے غروب ہوتے ہی جمع اسلام کے چراغِ سحری بن جانے کا خطرہ تھا لیکن جانشین رسول ﷺ نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذات گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے، مہمات امور کا فیصلہ ہوا۔ یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت البیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ ہی کا نام نامی لیا جاسکتا ہے اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں۔ اس لئے اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ عہد صدیقی کی وہ کون سی داغ بیل تھی جس پر عہد فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظام خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی۔ چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے

سب میں کبار صحابہؓ رائے و مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب رائے و تجربہ کار صحابہؓ کو بھی دار الخلافت سے جدا نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا۔ لیکن انہوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لئے چھوڑ جائیں۔ (۱)

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہؓ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لئے پیش کیا۔ ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھوڑنے میں پس و پیش تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی۔ (۲) اور پھر اسی پر اتفاق ہوا، اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہؓ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی۔ البتہ عبد فاروقی کی طرح اس وقت مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا تاہم جب کوئی امر اہم پیش آجاتا تو ممتاز مہاجرین و انصار جمع کئے جاتے تھے اور ان سے رائے لی جاتی تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے:

جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق اہل الرائے و فقہائے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز لوگ یعنی عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، اور زید بن ثابت کو بلا تے تھے، یہ سب حضرات ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتوے بھی دیتے تھے۔

ان ابا بکر الصديق كان اذا
نزل به امر يريد فيه مشاورة
اهل الراى واهل الفقه ودعا
رجلا من المهاجرين
والانصار دعا عمر عثمان
وعليا وعبد الرحمن بن
عوف ومعاذ جبل وابى بن
كعب وزيد بن ثابت كل
هؤلاء يفتى فى خلافة ابى
بكر. الخ (۳)

ملکی نظم و نسق

نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی اس لئے ان کے دائرہ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہئے۔ انہوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، نجران، حضرموت

① طبقات ابن سعد حصہ مغازی ② یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۹ ③ طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ۲ ص ۱۰۹

بحرین، اور دومۃ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے۔ (۱) ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ البتہ خاص دار الخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کئے گئے تھے۔ مثلاً حضرت ابو عبیدہ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افریقا میں تھے، حضرت عمر قاضی تھے اور حضرت عثمان و حضرت زید بن ثابت دربار خلافت کے کاتب تھے۔ (۲)

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہدہ نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے اور ان سے ان ہی مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے بھی کام کر چکے تھے۔ مثلاً عہدہ نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسید، طائف پر عثمان بن ابی العاص، صنعاء پر مہاجر بن امیہ، حضرموت پر زیاد بن لبید، اور بحرین پر علاء بن الحضرمی مامور تھے۔ اس لئے خلیفہ اول نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔ (۳)

حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ اور ولید بن عقبہؓ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

اتق الله في السر والعلانية
فانه من يتق الله يجعل له
مخرجاً ويرزقه من حيث له
يحتسب ومن يتق الله يكفر
عنه سيئاته ويعظم له اجراً
فان تقوى الله خير ما
تواصى به عباد الله انك
في سبيل الله لا يسعك فيه
الاذهان والتفريط والغفلة
عما فيه قوام دينكم
وعصمة امركم فلا تن ولا
تفتروا الخ (مسند ج ۱ ص ۶)

خلوت و جلوت میں خوفِ خدا رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اسکے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر دو بالا کر دیتا ہے، بیشک، بندگانِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراطِ تفريط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمحل ہے اسی لئے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا۔

اسی طرح یزید بن سفیان کو مہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا:

يا يزيد ان لك قرابة اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں!

شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ،
درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس
سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر
ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے
طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو
خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے
گا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل
کرے۔

عسیت ان توثرهم بالاسارة
وذلك اكبر ما اخاف
عليك فان رسول الله ﷺ
قال من ولي من امر
المسلمين شيئا فامر عليهم
احد امحابة فعليه لعنة الله
لا يقبل الله منه صرفاً ولا
عدلاً حتى يدخله جهنم (۱)

حکام کی نگرانی

کسی حکومت کا قانون و آئین گو کیسا ہی مرتب و منتظم ہو، لیکن اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور
ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول کو اپنی
قطری نرم دلی، تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور نکتہ چینی سے کام لینا
پڑا۔ ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا لیکن انتظام و مذہب میں اس قسم کی
مدافعت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی
کے ساتھ چشم نمائی فرماتی۔ یمامہ کی جنگ میں مجاہد حنفی نے جو میلہ کذاب کا سپہ سالار تھا، حضرت
خالد بن ولید کو دھوکہ دے کر میلہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچالیا۔ حضرت خالد
بن ولید نے اس عدار پر اسے سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ چونکہ اس جنگ
میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے۔ اس لئے ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کی اس مسامحت پر
سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس
مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں
کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو۔

تتوثب على النساء وعند
اطمناب بيتك دماء
المسلمين (۲)

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن انہوں
نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اسکو قتل کر ڈالا۔ مالک کا بھائی شاعر تھا اس نے اس کا نہایت پرورد
مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لئے تیار تھا مگر خالد نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر

دیا۔ دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس غلطی پر حضرت خالد سخت موردِ عتاب ہوئے لیکن وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لئے کوئی دوسرا ان سے زیادہ موزوں نہ تھا اس لئے اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔ (۱)

تعزیر و حدود

حضرت ابو بکر صدیق ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ عہد نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے ان کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے ”تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟“ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا ”خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو، خدا بھی اس کو چھپائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔“ اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا۔ لیکن خود دربار رسالت ﷺ میں آکر اس نے متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگ سار ہوا۔ (۲)

زمانہ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی۔ چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابو بکر صدیق نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمیشہ حضرت ام فردہ سے اس کا نکاح کر دیا۔ (۳)

لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انہوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی۔ البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔ مثلاً حد نمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل مختلف تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لئے چالیس ڈرے کی سزا لازمی کر دی۔ (۴)

حضرت ابو بکر کے عہدِ خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علت ابنہ میں مبتلا ہے چونکہ اہل عرب کے لئے ایک جدید جرم تھا اور حدیثِ بقرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لئے حضرت ابو بکر نے تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔ (۵)

ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں

① یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۹ ② ابوداؤد کتاب الحدود ③ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۱۶ بحوالہ ابن الدنیا

⑤ یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۹

④ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۴

عبداللہ بن ایاس سلمی مشہور راہزن تھا جس نے تمام ملک میں ایک نذر برپا کر رکھا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے طریفہ بن حاجر کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا۔ اور آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ حدود شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے اور ان موقعوں پر ان کا طبعی حلم و کرم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجرین امیہؓ نے جو یمامہ کے امیر تھے، دوگانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت ﷺ کی بھوگاتی تھی اور دوسرے مسلمانوں کو برا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اکھڑا ڈالے۔ حضرت ابو بکرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس سزا پر سخت برہمی فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سب و شتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا کیونکہ وہ اگر ندعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہو گئی اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا۔ لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو برا کہتی تھی اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہئے تھی۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لئے معمولی تنبیہ و تادیب کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے درگزر کیا تو مسلمانوں کو برا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ تمہاری پہلی خطانہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا۔ دیکھو! مسئلہ سے ہمیشہ محترز رہو۔ یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے۔ مجبوراً صرف قصاص میں مباح ہے۔ (۱)

مالی انتظامات

عہد نبوت میں صحیفہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اس وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد، عورت اور ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا تفریق دس دس درہم عطا کئے۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و منقبت اور چیز ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟ (۲) البتہ اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا، لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا۔ اسی لئے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ فرمایا اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے۔ (۳)

خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ اور

دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر مقام سخ میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا۔ لوگوں نے کہا ”خدا ابو بکرؓ پر رحم کرے“۔ اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ ”شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟“ اس نے کہا کہ ”دو لاکھ دینار“۔ (۱)

فوجی نظام

عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ہی شوق سے علم جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورت حال باقی رہی۔ لیکن انہوں نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرمادیتے۔ چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا۔ یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے۔ امیر الامراء کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفہ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ (۲)

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ نے تعبیر کا طریقہ ایجاد کیا اور میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا۔ اسی طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں ابتری پھیل جاتی تھی اس کا سدباب ہو گیا۔ (۳)

فوج کی اخلاقی تربیت

رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب للہیت اور اعلائے کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں۔ اس لئے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصدِ عظیم کے لئے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو۔ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی فوج کسی مہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے اور امیر لشکر کو زرین نصح کے بعد رخصت فرمایا۔ چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا: (۴)

انک تجد قوم اعموا انہم
حسبوا انفسہم اللہ فذرہم
تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے
آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا

① طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱ ② فتوح البلدان ص ۱۱۵ ③ تاریخ طبری

④ تاریخ الخلفاء ص ۹۶

ہے۔ ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا، اور بزدل نہ ہو جانا۔

وانسى موصيك بعشر لا
تقتلوا امرأة ولا صبلياً ولا
كبيراً هراً ما ولا تقتطعن
شجراً مثمراً ولا تحزبن
عامراً ولا تعقرن شاة ولا
بعيراً الا لاكله ولا تحرقن
نخلاً ولا تغلنن ولا تجبنن

سامان جنگ کی فراہمی

حضرت ابو بکر صدیق نے سامان جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامان بار برداری اور اسلحہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مالِ غنیمت میں، خدا، رسول اور ذوالقربیٰ کے جو حصے فرار دیئے تھے ان کو فوجی مصارف کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی ضروری مصارف کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے۔ (۱)

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے مقام زبدہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔ (۲)

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ

حضرت ابو بکر صدیق ضعف و پیری و ہجوم افکار کے باوجود خود ہی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے تھے اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مہم کے لئے مقام جرف میں فوجیں مجتمع ہوئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ انہوں نے ہر ایک کو مرہباً کہا۔ ان لوگوں نے عرض کی ”یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے تھے اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ فرمایا ”خدا تمہاری ہمت و ارادہ میں برکت دے لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے۔“ اس پر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا: ”ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں۔“ حضرت

ابوبکرؓ نے ڈانٹ کر کہا ”چپ احمق! تجھ سے ہر ایک عیسیٰ اچھا ہے“۔ بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے مگر انہیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔ غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔ (۱)

بدعات کا سدباب

تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ بائیان مذہب کی صحیح تعلیم اور تبعین کی جدت طرازیوں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انہوں نے اس کو مٹا دیا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ حمس کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی انہوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ”یہ جاہلیت کا طریقہ ہے اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آ جاؤ اور بات چیت کرو“۔ اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے ابوبکرؓ۔

خدمتِ حدیث

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں جمع فرمائی تھیں لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلاف واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا۔ لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے۔ با ایں ہمہ انہوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا:

تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی اختلاف رکھتے ہو تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے تو ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہوگا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے

انکم تحدثون عن رسول
اللہ ﷺ) احادیث یختلفون
فیہا والناس بعدکم اشد
اختلافا فلا تحدثوا عن
رسول اللہ ﷺ شیئا فمن
سئالکم فقولوا بنینا و بینکم

کتاب اللہ فاستحلو حلالہ
وحرموا حرامہ (۱)
درمیان خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو
حلال سمجھو اور حرام کو حرام قرار دو۔

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ انہوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کر دیا بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو روایت نہ کرنا چاہئے، چنانچہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی پوری تصدیق ہو جاتی تو بغیر پس و پیش اس کو قبول فرما لیتے تھے۔ ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا۔ چونکہ قرآن مجید اس کے متعلق خاموش ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ موجود تھے انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ احتیاطاً پوچھا 'کوئی گواہی پیش کر سکتے ہو؟' حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا۔ (۲) بعد کو حضرت عمرؓ نے اس اصول سے زیادہ کام لیا۔ آپ کے قبول حدیث کے اور بھی واقعات ہیں۔

محکمہ افتاء

حضرت ابو بکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ (۳) حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

اشاعت اسلام

نائب رسول ﷺ کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ و اشاعت ہے، حضرت ابو بکرؓ کو اس کا رخیر میں شروع سے جو غیر معمولی انہماک تھا اس کا ایک اجمالی تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں اسی خورشید صداقت کے پر توشیاء سے منور ہوئے ہیں، خلافت کا بار آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہماک زیادہ ترقی کر گیا۔ تمام عرب میں پھرنے سرے سے اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو فوجیں روانہ فرمائیں انہیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اسی دعوت کو پھیلائیں۔ کیونکہ وہ قومی یک جہتی کے

باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ثنیٰ بن حارثہ کی مساعی جمیلہ سے بنی وائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئی۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کی دعوت پر عراق، عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا۔

حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود اسلام قبول کیا، یمن میں اشعث اور اس کے رفقاء نے پھر تجدید اسلام کی۔ اسی طرح طلیحہ جو مدعی نبوت تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا۔ (۱)

فهل يقبل الصديق انى مراجع ومعط بما احدثت من حديث يدى

وانى من بعد الضلالة شاهد شهادة حق لست فيها بملحد

کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آؤں، اور میرے ہاتھوں

نے جو گناہ کئے ہیں ان کی تلافی کروں۔ اور گمراہی کے بعد میں گواہی دیتا ہوں ایک

ایسی سچی گواہی کہ میں اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

اس اعتذار و اقرار ایمان سے حضرت صدیقؓ کا آئینہ دل طلیحہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی لیکن وہ اس وقت پہنچا جب کہ آفتاب صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو چکا تھا۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایفائے عہد

رسول اللہ ﷺ کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کو پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اولین فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحرین کی فتح کے بعد اس کا مال غنیمت پہنچا، انہوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالت مآب ﷺ کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو یا آپ ﷺ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تین دفعہ ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا۔ (۳) نیز حضرت ابو بشیرؓ مازنی کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور متعلقین کا خیال

باغ فدک اور مسئلہ خمس کے تنازعہ نے گور رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی، خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو اس کا رنج تھا۔ تاہم خلیفہ اول نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف

ومحبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدہ جنت سے عفو خواہ ہو کر ان کا آئینہ دل صاف کر دیا۔ (۱)

امہات المؤمنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت ﷺ کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا۔ عکرمہ بن ابوجہل نے حضرموت میں آنحضرت ﷺ کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کر لیا تو انہوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلادیں، لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا، وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں اس لئے امہات المؤمنین میں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ (۲)

آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے لئے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ ﷺ کا خاص لطف و کرم رہتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر اور رسول اللہ کی وصیت کا خیال رکھا۔ آنحضرت ﷺ اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ (۳) حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اسی طرح سندرنام ایک غلام کو آپ نے آزاد کر کے فرمایا تھا کہ تیرے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو ان کے لئے وظیفہ مقرر فرمایا اور تاحیات اس کو جاری رکھا۔ (۴)

ذمی رعایا کے حقوق

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروؤں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر و دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی۔ اسی طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اُس کے یہ الفاظ تھے:

ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائیگا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس (اور گھنٹے بجانے کی) ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے

لا یهدم لهم بیعة ولا کنیسة
ولا قصر من قصورهم التی
کانوا تحصنون اذا نزل بهم
عدولهم ولا یمنعون من
ضرب النواقیس ولا من

② اسد الغابۃ مذکرہ قتیلہ بنت قیس

① طبقات ابن سعد

④ ایضاً تذکرہ سندرنام

③ استیعاب تذکرہ ام المؤمنین

اخراج الصلبن فی عیدہم روکے نہ جائیں گے۔ (۱)

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے، یہاں صرف وہی جملے نقل کئے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خليفة اول کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی، اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیئے گئے تھے۔ معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اچھ اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے گا۔ نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا۔ (۲) کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی اور رعایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

فضائل و مناقب

بارگاہِ نبوت ﷺ میں رسوخ

حضرت ابو بکر صدیق محبوب بارگاہ و محرم اسرار نبوت تھے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ روزانہ صبح و شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اکثر مہمات امور حضرت ابو بکر صدیق کی شرکت سے طے پاتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانہ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے تین اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو کیا، لیکن وہ خود دیر تک بارگاہِ نبوت سے واپس نہ آسکے۔ جب رات زیادہ گزر گئی اور گھر آئے تو یہ معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا، اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے۔ (۱)

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات بھر حضرت ابو بکر صدیق سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، نیز ان کی رازداری و خلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے۔ ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کے تمام کام صرف حضرت ابو بکرؓ اور ان کے اہل و عیال سے متعلق تھے، حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہؓ کا رات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فہیرہؓ کا روزانہ بکریاں لانا، حضرت اسماءؓ کا کھانا پہنچانا۔ غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا، وہ سب خاندانِ صدیقی کے سپرد تھے۔ حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے اس رفیق جاں نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا، اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا۔ چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی اس میں ارشاد ہوا۔ (۲)

”ابو بکر اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اگر میں خدا کے سوا

① بخاری کتاب الادب باب قول الضیف لا اکل حتی تاکل و کتاب المنافق باب علامۃ النبوة قبل اسلام

② بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ

کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے۔ (۱)

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابو بکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیئے جائیں گے۔ (۲) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا، ابو بکرؓ۔ (۳)

اسی غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابہ کرامؓ جب آنحضرت ﷺ کو برہم دیکھتے تو ان ہی کی وساطت سے عفو درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابو جہل ابن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ چونکہ یہ سرور کائنات ﷺ کی مرضی کے خلاف تھا اس لئے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو دیکھا تو چہرہ مبارک ہشاش بشاش ہو گیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کا شانہ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابہ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔ بالآخر سب نے حضرت ابو بکرؓ کو آگے بڑھایا اور انہوں نے سکوت کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ جو دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے۔ اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی وہی مقبول ہو کر رہی۔ رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو کبھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حفصہؓ کا پیغام دیا، سن کر خاموش رہے، اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا ”شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی۔ بولے کیوں نہیں؟ فرمایا ”میں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ (۴) غرض ان ہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہ نبوت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ اور بار رسوخ بنا دیا تھا۔

علم و فضل

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے گو کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذتہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودت طبع اور دربار نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل و کمال پر مہر درخشاں ہو کر چمکے۔ فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے۔ ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا۔

① بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ ② و ③ ایضا ④ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر

کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی۔ بے اختیار ان کو گوش میں اٹھالیا اور فرمایا: (۱)

لیس شبیہا بعلی
علی سے مشابہ نہیں ہے

وبابی شبہ النبى
میرا باپ خدا ہو یہ نبی سے مشابہ ہے

ذوق سخن

اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار سے دل چسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لبید نے مصرعہ پڑھا لا کل شیء ما خلا اللہ باطلا یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں تو فرمایا ”تم نے سچ کہا“ لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا وکل نعیم لا محالة زائل یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی تو بولے غلط ہے خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔ (۲) حالت نزع میں حضرت عائشہؓ سر ہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

فانه فى موة مدفوق

من لا يزال دمعہ مقنعا
فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ (ق-۱)
”موت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے“۔

انہوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا:

ثمال اليتامى عصمة للارامل

وابيض يستسقى انعام بوجهه

گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے۔ یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا ملجا

بولے یہ رسول اللہ ﷺ کی شان تھی۔ (۳)

تقریر و خطابت

تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں وہ اوپر گزر چکی ہیں اس سے بڑھتی اور زور کلام کا اندازہ ہوگا۔ ان معرکۃ الآراء تقریروں کے علاوہ ان کی عام تقریریں بھی نہایت پر اثر ہوتی تھیں۔ ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں:

آج وہ حسین اور روشن اور نور شباب سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کے بسانے والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے غالب آنے والے مرد میدان سورما کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان کی قوتیں پست کر دیں اور ان کے بازو توڑ دیئے اور قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے سو گئے۔

این الوضاء الحسنة
وجوہہم المعجبون
بشبابہم این الملوک
الذین بنوا المدائن وحصنو
ہا این الذین کانوا یعطون
الغلبة فی مواطن الحرب قد
تضعض ارکانہم حین
احتی بہم الدھر واصبحوا
فی طبقات القبور الوحاحا
الوحائم النجا النجا. (۱)

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ”میں جس جگہ کھڑا ہوں، گذشتہ سال خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔“ یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے۔ اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلو گرفتہ ہو گئے۔ (۲)

نسب دانی

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا، حضرت ابو بکرؓ اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ جو طبقہ اصحاب میں سے سب بڑے نساب گزرے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابو بکرؓ سے سیکھا ہے جو نسب دانی کی حیثیت سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ (۳)

حضرت ابو بکرؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا۔ آغاز نبوت میں آنحضرت ﷺ تبلیغ و اشاعت کے لئے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تو عموماً یہ بھی ہمراہ ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ قریش کی جو کیا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر کہا ”تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا بن عم ہے۔“ انہوں نے کہا ”خدا کی قسم! میں حضور کو ان سے علیحدہ کر لیتا ہوں جس طرح جو خمیر سے الگ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ابو بکرؓ کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب

سے زیادہ ماہر ہیں۔ غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ (۱)

تعبیر روایا

خواب کی تعبیر میں بھی خداداد ملکہ تھا یہاں تک کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے بعد ان کو سب سے بڑا معتبر سمجھتے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ ”وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں۔ اسی اثناء میں سرور کائنات ﷺ تشریف لاتے ہیں اور ان کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں“۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے اس خواب کو سنا تو فرمایا ”خالد تمہیں اس کے ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے۔ تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے، لیکن آنحضرت کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی“۔ (۲)

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرہ میں گرتے دیکھے۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو اُس وقت خاموش رہے لیکن جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور ان کے حجرے میں مدفون ہوئے تو فرمایا: ”عائشہ! یہ تمہارے حجرے کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے“۔ (۳)

آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا روایا بیان کر کے انہیں تعبیر کا حکم دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھیتروں میں بہت سی سفید رنگ کی بھیتریں شامل ہو گئیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! سیاہ بھیتراہل عرب ہیں جو پہلے آپ کے تابع ہوں گے۔ پھر نہایت کثرت کے ساتھ جمی جو سفید بھیتروں کے رنگ میں ظاہر کئے گئے ہیں، اسلام قبول کر کے ان میں شامل ہو جائیں گے“۔ ارشاد ہوا صحیح ہے، فرشتہ آسمان نے بھی یہی تعبیر کی تھی۔ (۴)

علم تفسیر

حضرت ابو بکرؓ صدیق چونکہ سفر، حضر، خلوت و جلوت، جنگ و صلح غرض ہر موقع پر مہبط وحی و الہام ﷺ کے شرف صحبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت ﷺ کے خاص مشیر تھے۔ اس لئے اسلامی علوم و فنون میں بھی قدرۃ ان کا پایہ سب سے بلند تھا۔ کلام اللہ اسلام کا اصل

② مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۸

① استیعاب ج ۱ ص ۱۲۸

④ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴

③ موطا امام مالک ص ۱۸۰

اصول ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق کو اس سے غیر معمولی شغف تھا۔ عموماً رسول اللہ سے آیات قرآنی کی تفسیر پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے؟“

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي
أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءً
يُجْزِيهِ
(نساء - ۱۸)

(فلاح عاقبت) نہ تمہاری آرزو پر
(موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی آرزو پر
(بلکہ) جو برا کام کرے گا وہ اس کی جزا
پائے گا۔

کیا درحقیقت ہم برے کام کا بدلہ پاتے ہیں؟ ارشاد ہوا ”ابو بکر خدا تمہاری مغفرت کرے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کوئی رنج و صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت نہیں ستاتی؟ بولے کیوں نہیں، فرمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے۔ (۱)

وہ ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے۔ نیز مختلف موقعوں پر انہوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں، اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا ”صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ
أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ
إِذَا هْتَدَيْتُمْ
(مائدہ - ۱۴)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر
(صرف) تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے
جو تم پر ہو گیا ہے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا
سکتا جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو۔

حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر کو دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لئے عام ہو جاتا ہے۔ یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں۔ (۲)

اس آیت قرآنی سے استدلال، استنباط احکام و تفریح مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں برجستہ اس آیت سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى
أَعْقَابِكُمْ

یعنی محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے
بھی بہت سے رسول گزر گئے، کیا اگر وہ
مر جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر

أَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۱۴) جاؤ گے۔

اس آیت نے یکا یک ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی، حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا طبیب کو بلائیں۔ چونکہ مسئلہ تقدیر پر بہت شدت کے ساتھ رکھتے تھے، بولے ”طبیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے انی فعال لما یرید یعنی ارادۂ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا“۔ (۱)

حدیث

حضرت ابو بکرؓ صدیق چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد سواد و برس زندہ رہے، اس لئے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ علاوہ اس کے اس وقت تمام حاشیہ نشینان بساط رسول اللہ ﷺ بقید حیات تھے جن کی نگاہوں سے عہد نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی اس بنا پر کثرت روایات کا کوئی موقع بھی نہ تھا تاہم انہوں نے جانشین رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا خاص طور پر شہرت دی۔ مثلاً نصاب زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ تمام ملک میں شائع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفہ ماول ہی کی معلومات نے مسلمانوں کی رہبری کی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے انہی نے ”الائمة من قریش“ کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے مدفن کا سوال پیدا ہوا تو صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہے“۔ (۲)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائداد میں میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ حدیث پیش کی:

لا نورث ماتر کنا صدقة یعنی ہمارے مال میں وراثت جاری نہ ہوگی اور ہمارا تمام متروکہ وقف ہے۔

بعد کو دوسرے صحابہ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔ غرض وہ دربار نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے ارشادات، طرز عمل اور ان کے اسباب و علل سے قدرتا زیادہ باخبر تھے۔

امامت واجتہاد

امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پر تو ہے تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت ابو بکرؓ

صدیق نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ معصوم تھے نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا اور میں ایک معمولی انسان ہوں اس لئے اگر تم مجھے راہِ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج راہ ہو جاؤں تو سیدھا کر دو۔ (۱)

حضرت ابو بکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عموماً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات و حقوق سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہیں۔ ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے تیور دیکھ کر عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ! اس کی گردن اڑا دیجئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے قتل کا سنا تو خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو بکرؓ سے بلا کر پوچھا، اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار ڈالتے؟ بولے ”ہاں!“ فرمایا ”خدا کی قسم! رسول اللہ کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ (۲) اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا کہ مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو، میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول ہوں اور یہی میرے لئے بس ہے۔ (۳)

غرض خلیفۃ اول کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ الگ کر دیں ورنہ جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے الوہیت و نبوت کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں اور دنیا کی اکثر قوموں نے انبیاء علیہم السلام کو مظاہر خداوندی تصور کر لیا ہے اسی طرح خلافت و نبوت کی حدود میں بھی امتیاز دشوار ہو جاتا ہے۔

اصول اجتہاد

رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط و احکام و تفریع مسائل کی ایک شاہواہ قائم کرنا اور مذہبی دفتر کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا۔ خلیفۃ اول نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعت عزاء کا سنگ اساس ہے۔ چنانچہ نصوص شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذات گرامی سے ظہور میں آیا۔ مسند دارمی میں ہے۔ (۴)

کان ابو بکر اذا ورد علیہ	حضرت ابو بکرؓ کی عدالت میں جب کوئی
الخصم نظر فی کتاب اللہ	مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف
فان وجد فیہ ما یقضى بینہم	رجوع کرتے اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق
قضى بہ وان لم یکن فی	اس میں کوئی حکم ہوتا تو اسکے مطابق فیصلہ

① مسند احمد ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰ و تاریخ الخلفاء ص ۶۸ ② ابوداؤد کتاب الحد و باب الحکم فین سب النبی

③ استیعاب تذکرۃ ابو بکرؓ ④ مسند دارمی باب الفتیاء ما فیہ من الشدۃ

کرتے ورنہ سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور جب اس سے بھی مطلب برآری نہ ہوتی تو مسلمانوں سے سوال کرتے۔

الكتاب و علم من رسول الله
ﷺ في ذلك الامر سنة
قضى به فان اعياه خرج
فسئال المسلمين۔

قیاسی مسائل سے خوف

قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا نامعلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں تو کون سی زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا۔ (۱) حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ نامعلوم مسائل میں ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا، تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے۔ ایک دفعہ ایسا مقدمہ پیش ہوا جس کے متعلق نہ قرآن میں کوئی تصریح تھی نہ آنحضرت ﷺ کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی، مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا: ”یہ میری رائے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے میں خدا سے طالب مغفرت ہوں۔“

ایک قیاسی مسئلہ

حضرت ابو بکر صدیق کے قیاسی مسائل میں سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے، ہم اس کو بالتفصیل درج کرتے ہیں، اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ میں صرف دادا اور بہن بھائی چھوڑے یعنی اصول میں باپ اور فروع میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وارث کون ہوگا؟ دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرام جن میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری وغیرہ شامل ہیں دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دے کر بھائی بہن کو محبوب الارث سمجھتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے:

لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ
فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرًا هَلَك

ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترکہ سے آدھا ملے گا اور بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا۔

وَلَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ (نساء ۲۴)

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے، تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے کہ کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابو بکرؓ صدیق دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے (اصول فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری ماں سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ مَرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (نساء ۲۴)

اس آیت میں علاقہ بھائی بہنوں کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں بالاتفاق کلالہ کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول و فروع میں کوئی نہ ہو، یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو وہ کلالہ نہ ہوگا اور علاقہ بھائی محبوب الارث ہوں گے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلالہ کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں قائم رہے اور بلاوجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے۔ (۱)

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکر صدیق فطرۃ اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ ایام جاہلیت میں عفت پارسائی، رحمہ، راست بازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دیت کی تمام رقم ان ہی کے پاس جمع ہوتی تھی، شراب نوشی، فسق و فجور کو اس زمانہ میں عالمگیر تھا تاہم ان کا دامن عفاف کبھی ان دھبوں سے داغدار نہیں ہوا۔ فیاضی، مفلس و بے نوا کی دستگیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، منصبیت زدوں کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام محاسن و محامد ان میں پہلے سے موجود تھے، شرف ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

تقویٰ

ورع و تقویٰ حضرت ابو بکر صدیق کے معدن اخلاق کا سب سے درخشاں گوہر ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا ”اس راہ میں ایسے آوارہ منش و بدمعاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے۔“ یہ سننا تھا کہ زمین نے پاؤں پکڑ لئے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے ”میں ایسے شرمناک راستے سے نہیں جاسکتا۔“ (۱)

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر پیش کی۔ جب تناول فرما چکے تو انہوں نے کہا ”آپ جانتے ہیں کہ یہ کس طرح حاصل ہوا؟“ فرمایا ”بیان کرو۔“ بولے ”میں نے جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی۔ فال کھولنا تو جانتا تھا صرف اس کو دھوکہ دیا تھا لیکن آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ میں یہ کھانا دیا۔“ یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھائے کر دیا۔ (۲) فرمایا کرتے تھے کہ ”جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے جہنم اس کا بہترین مسکن ہے۔“

حضرت عائشہؓ کے گھر میں عید کے روز انصار کی دولڑکیاں جنگ بعات کے تاریخی اشعار گا رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ منہ پھیر کر فرش پر استراحت فرماتے اسی حالت میں ابو بکرؓ صدیق تشریف لائے۔ ان کے کمالِ اتقاء نے اسے بھی پسند نہ کیا حضرت عائشہؓ گوڈانٹ کر بولے ”رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مزمار شیطان؟“ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابو بکر! نہیں گانے دو ہر قوم کے لئے عید ہے اور یہ ہماری عید (۱) ہے۔“

انسان کا کمالِ اتقاء یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضاء و جوارح اعمالِ شنیعہ و افعال ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہیں اور اس کا دل تخیلاتِ باطلہ سے محترز رہتا ہے، اسی طرح اس کی زبان بھی کبھی کلماتِ ناملائم سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق کا ورع و تقویٰ اسی منہبائے کمال پر تھا کہ درشت و ناملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت و پشیمانی ہوتی اور جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی چین نہ آتا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کوئی نزاع درپیش تھی، اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ نکل گیا۔ لیکن خود ہی ندامت دامن گیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی اسی وقت دامن اٹھائے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی۔ ”ابو بکر! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابو بکر! خدا تمہیں بخش دے گا۔“ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ گوان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھ کر حضور پر نور ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی، ”یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی، اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرو ہوگی تاہم ارشاد ہوا، ”میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا، لیکن ابو بکرؓ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے؟“ (۲)

حضرت ربیعہ بن جعفر اور حضرت ابو بکرؓ صدیق میں ایک درخت کے لئے باہم اختلاف ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی جملہ ایسا کہہ دیا کہ جو ان کی ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے، ”ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہہ دو، انہوں نے انکار

① ایضاً کتاب العیدین باب سنة العیدین لاهل الاسلام ص ۱۳۰

② بخاری کتاب المناقب باب قول النبی لو کنت متخذاً خلیلاً ج ۱ ص ۵۱۶

کیا تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ربیعہؓ بھی ساتھ تھے۔ حضور انور ﷺ نے مفصل روئے داد سن کر فرمایا ”ربیعہ! تم کوئی سخت جواب نہ دو، لیکن یہ کہہ دو وغفر اللہ لک یا ابا بکر۔ یعنی ابو بکر خدا تمہیں معاف کر دے۔“ حضرت ابو بکرؓ پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ زار و قطار رو رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ (۱)

زُہد

امارت، دنیا طلبی و جاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی، خلافت کا بار گراں بھی محض اُمتِ مرحومہ کو تفریق سے محفوظ رکھنے کے لئے اٹھالیا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے متمنی نہ تھے۔ انہوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے۔ (۲)

حضرت رافعؓ طائی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں، مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ بولے ”خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت و سیادت نہ قبول کرو، دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا اور فرد عمل زیادہ طویل ہوگی۔“

ایک مرتبہ انہوں نے پینے کے لئے پانی مانگا، لوگوں نے پانی اور شہد ملا کر پیش کیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے، بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی، بولے ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جسے آپ دور فرما رہے ہیں؟ میں تو کچھ نہیں دیکھتا۔“ ارشاد ہوا کہ ”ظاہر فریب دنیا جسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اس کو دور کر دیا۔“ اس وقت یکا یک یہ واقعہ مجھے یاد آ گیا اور ڈرا کہ شاید اس کے دام تزویر میں پھنس جاؤں۔“ (۳)

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹادی، یہاں تک کہ زمانہ خلافت میں ان پر بیت المال کا چھ ہزار روپیہ قرض چڑھ گیا لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا یک حجب بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لئے چھوڑنا گوارا نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلان باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر بن خطاب کے پاس بھیج دی جائے۔ حضرت عائشہؓ عمر ماتی ہیں کہ وفات کے

بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں: ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں اسی وقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ خلیفہ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے۔ رو کر بولے ”ابوبکر! خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔“ (۱)

تواضع

نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا۔ اکثر بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے تھے اور محلہ والوں کی بکریاں دوہ دیتے تھے۔ چنانچہ منصب خلافت کے لئے جب ان کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اس نے تأسف آمیز لہجے میں کہا ”اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟“ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو فرمایا ”خدا کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا، امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی۔“ (۲)

حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبیدہؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا ”یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہاں؟ بولے بازار! انہوں نے کہا ”اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں، چلئے ہم آپ کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں (۳) گے۔“ لیکن بخاری کی روایت ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر سکتے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل و عیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہو گیا ہوں اس بنا پر آل ابوبکر اس مال میں سے کھائیں گے اور مسلمانوں کے لئے تجارت کریں گے۔ صحابہؓ نے اسے منظور کر لیا۔ (۴)

دار الخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ضعیف و کبر سنی کے باوجود دور تک پیادہ ساتھ جاتے۔ اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے ”اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں، خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیا ہے۔“ (۵)

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی اور فرماتے مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے۔ کوئی مدح و ستائش کرتا تو فرماتے ”اے خدا! تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ

① طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۳۷ ② ایضاً ③ ایضاً ④ بخاری کتاب الاحکام باب

رزق الحاکم والعالین علیہا ⑤ طبری ص ۵۰۷ او مسند دارمی باب فصل الغبار فی سبیل اللہ

جانتا ہوں۔ خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر۔“ (۱)

غایت تواضع سے تکبر و غرور کی علامات سے بھی خوف زدہ ہو جاتے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے چلتا ہے، قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی ”میرا دامن بھی کبھی کبھی لنگ جاتا ہے۔“ ارشاد ہوا ”تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔“ (۲)

انفاق فی سبیل اللہ

مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے۔ روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدت گرسنگی میں خوانِ نعمت ہے، لیکن آسودگی میں الوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنی جان و مال سے رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی ہے ان کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا.

(سورۃ حدید رکوع ۱)

حضرت ابو بکر صدیق کے پاس قبولِ اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ انہوں نے یہ تمام دولت راہِ خدا میں صرف کر دی۔ (۳) آنحضرت نے بارہا اس فیاضی کے بر محل ہونے کا اعتراف فرمایا:

ما انفعني مال احد قط ما نفعتني مال ابى بكر. (۴)

اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ جب بطور تشکر و امتنان فرماتے:

انه ليس من الناس احدا من علي في نفسه وماله من ابى بكر (۵)

یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکر سے زیادہ کسی کا احسان نہیں۔

① اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷ ② بخاری کتاب المناقب ابی بکر ③ ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۲۳

④ کنز العمال ص ۳۱۶ ج ۶ ⑤ ایضاً

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ”یا رسول اللہ! جان و مال سب حضور ﷺ ہی کے لئے ہے۔“
 آغازِ اسلام میں جن لوگوں نے داعیِ توحید ﷺ کو لبیک کہا تھا ان میں ایک بڑی تعداد
 غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے ہنچہ ستم میں گرفتار تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے
 اکثروں کو آزاد کرایا جن میں بعض کے نام یہ ہیں: بلالؓ عامر بن فہیرہ نذیرہ، جاریہ بنی مول،
 نہدیہ، بنت نہدیہ وغیرہم۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بارہا
 مسابقت کی کوشش کی۔ لیکن وہ کبھی بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ
 ﷺ نے صحابہ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس معمول سے زیادہ سرمایہ موجود
 تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ آج ابو بکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے چنانچہ وہ اپنا نصف مال
 لے کر آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل و عیال کے
 لئے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے ”اسی قدر“ لیکن حضرت ابو بکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے۔ ان
 سے جب سوال کیا تو انہوں نے عرض کی، ”ان کے لئے خدا اور اس کا رسول ہے۔“ اس ایثار و
 قربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں۔ بولے اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔ (۲)
 صدقات میں اخفاء و اظہار دونوں جائز ہیں:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

لیکن اظہار میں ریا و تفاخر کا امکان ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ صدقات میں اخفاء کا لحاظ رکھتے
 تھے اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام کائنات خدا کی امانت و ودیعت ہے، چنانچہ ایک
 دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ اس کے
 علاوہ خدا تعالیٰ کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔ (۳)

حضرت ابو بکرؓ صدیق کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات
 کے وقت بھی آپ نے فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لئے ایک خمس کی
 وصیت فرمادی۔ (۴)

خدمت گزاری خلق

خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اکثر محلّہ والوں
 کا کام کر دیتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتوان اشخاص کی

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶ ② ترمذی مناقب ابی بکرؓ ③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۷ ④ ایضا

خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اطرافِ مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ روزِ علیؓ صبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے کچھ دنوں بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس کا ثواب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ ایک روز بہ نظر تفتیش کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا خلیفہٴ اول یعنی حضرت ابو بکرؓ صدیق اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں۔

بولے انت العمری یا خلیفۃ رسول اللہ اتم ہے کیا روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں؟ (۱)

مذہبی زندگی

حضرت ابو بکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، دن کو اکثر روزے رکھتے، خصوصاً موسمِ گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا۔ خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ خوفِ محشر اور عبرت پذیری سے دُنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لئے سرمایہٴ عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے کاش! میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچ کر فرماتے ”پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چلتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش ابو بکرؓ بھی تمہاری طرح ہوتا۔“ (۲)

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دلی اور رقتِ قلب کے باعث بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ ”اداہِ منیب“ ان کا نام ہو گیا۔

نیکی کاری و حصولِ ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا ”آج تم میں سے روزہ سے کون ہے؟“ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی ”میں ہوں۔“ پھر فرمایا ”آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟ کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟“ ان سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔“ (۳)

خانگی زندگی

حضرت ابو بکرؓ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، خصوصاً ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کو سپرد کر دی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لئے ان کو بلا کر فرمایا ”جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے محبوب رہی ہو، لیکن جاگیر میں نے تمہیں دی ہے، اس میں تم اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو شریک (۲) کر لو۔“ انہوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی

نہایت مہمان نواز تھے، چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ ان کے مہمان تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب ہدایت ان کے سامنے حاضر پیش کیا۔ لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے حضرت ابو بکرؓ صدیق بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، اپنے صاحبزادے پر نہایت برہم ہوئے اور برا بھلا کہا اور فرمایا ”واللہ! میں آج اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔“ حضرت عبدالرحمنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے ”آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا۔“ مہمانوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا ”خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمنؓ کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے۔“

غرض اس طرح غصہ فرو ہو گیا اور دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (۳)

لباس و غذا

زندگی نہایت سادی تھی، موٹے جھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ دسترخوان بھی پر تکلف نہ تھا۔ خلافت کے بعد یہ سادگی اور ترقی کر گئی تھی۔ چنانچہ وفات کے وقت انہوں نے

① ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۳۸ ② بخاری ج اول کتاب الادب باب ما یکرہ من الغضب والجزع عند الضیف و باب قول الضیف بصاحب الا آکل حتی تاکل

حضرت عائشہؓ سے فرمایا ”جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے معمولی سے معمولی غذا اور چھوٹے موٹے پرقتاعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے، میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا۔“ (۱)

حضرت ابو بکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی اس لئے عسرت و ناداری کے باعث بارہادو، دو، تین، تین وقت فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا۔ فرمایا ”میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں۔“ حضرت ابوالہیثمؓ انصاری کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔ (۲)

ذریعہ معاش

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی۔ فرماتے تھے کہ ”میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا۔“ عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور مال تجارت لے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصری تشریف لے گئے۔ (۳)

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرۃ ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گیا۔ اس بنا پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اہل و عیال کے کپڑے اور کھانا مقرر کر دیا۔ (۴) حضرت ابو بکرؓ نے اس کو منظور کر کے فرمایا:

”قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابو بکرؓ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور ان کا کام کرے گا۔“ (۵)

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں؛ جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انہیں واپس کر کے دوسری لیتے تھے۔ سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے خرچ لیتے تھے۔ (۶)

جاگیر

آنحضرت ﷺ نے ان کو خیبر میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی اس کے علاوہ انہوں نے

- ① طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۹
- ② موطا امام مالک ص ۳۷۱
- ③ سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاج
- ④ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۰
- ⑤ بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل و عملہ بیدہ ج ۱ ص ۲۷۸
- ⑥ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۱

اطراف مدینہ اور بحرین میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں۔ (۱)

حلیہ

حضرت ابو بکرؓ نہایت نحیف و لاغر اندام تھے۔ چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گوں تھا۔ پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازواج و اولاد

حضرت ابو بکرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان

کے نام یہ ہیں:

- | | |
|---|-------------------|
| ان سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں۔ | ① قتیلہ یا قتلہ |
| یہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کی ماں تھیں۔ | ② ام رومان |
| ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ | ③ اسماء |
| حضرت ابو بکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثومؓ ان ہی کے بطن سے تھیں (۲)۔ | ④ حبیبہ بنت خارجہ |

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ

نام و نسب اور خاندان

عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا۔ پورا نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد القری بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مسالک (۱)۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے عمر کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر ملتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایامِ جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل آچلے آ رہے تھے۔ دادھیال کی طرح حضرت عمرؓ ناہیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ (۲)

حضرت عمرؓ ہجرتِ نبوی سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ ایامِ طفولیت کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہو گئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ (۲)

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا۔ اس سے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے۔ آپ کی خودداری بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اسی کا نتیجہ تھی اور ان ہی اوصاف کی بناء پر قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پر تو افگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ آواز نہایت نامانوس تھی اس لئے سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے۔ ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے۔ بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدو کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے۔

اسلامِ حضرت عمرؓ

قریش کے سربراہ آوردہ اشخاص میں ابو جہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لئے اسلام کی دعا فرمائی اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ہشام واما عمر بن الخطاب (۱) یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسٹام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی۔ ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولتِ ایمان سے بھر گیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ان انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے ”محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ”پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لاکھتے ہیں۔“ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، اُن کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپائے۔ لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہو لہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا بولیں ”عمر! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔“ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی

رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ (حدید)

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی
تسبیح پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت والا
ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

أَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (حدید) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولَ اللَّهُ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ”کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟“ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی ”ایمان لانے کے لئے!“ آنحضرت ﷺ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (۱)

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی، ابو یعلیٰ، حاکم اور بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورہ حدید کی آیت سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ہے، دوسری میں سورہ طہ کی یہ آیت ہے:

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
فَاعْبُدُونِي وَاقِمِ الصَّلَاةَ
لِذِكْرِي (سورہ طہ)

میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں، تو
مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی
کرو۔

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔ لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں۔ چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (۲)۔ ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدلال میں لکھا ہے کہ روایت واہی و منقطع

ہے (۱)۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے (۲)۔ کنز العمال میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے (۳)۔ ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم حسینی اور اسامہ بن زید بن اسلام ہیں اور یہ سب کے سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن جنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے جو گوا ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑنے نکلا۔ آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ جس میں آپ ﷺ نے سورہ الحاقہ تلاوت فرمائی۔ میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی	إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا
شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے	هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا
ہو۔	يُؤْمِنُونَ (الحاقہ-۲)

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت	وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا
پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی	تَذَكُّرُونَ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ
طرف سے اتر ہے۔	الْعَلَمِينَ (الحاقہ، ۲-۱)

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا (۴)۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھانی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی۔ اے حلیج ایک فصیح البیان کہتا ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ نبی

① مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹

② میزان الاعتدال تذکرہ قاسم بن عثمان بصری

③ کنز العمال فضائل عمرؓ بن الخطاب

④ مسند ابن جنبل ج ۱ ص ۱۷

ہیں (۱)۔ اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا۔ پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب پر حضرت عمرؓ نے لبیک نہیں کہا اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا تاہم چونکہ توحید کا ذکر تھا اس لئے ادھر میلان ہوا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی۔ اس کے بعد جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سورۃ الحاقہ جس میں قیامت اور حشر و نشر کا نہایت موثر بیان ہے۔ نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا جیسا کہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وقع الاسلام فی قلبی کل موقع، یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لئے انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۃ طہ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت موثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مخفی رہی تھی اس لئے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہِ نبوی ﷺ میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں تو ان کی شدت کم ہوتی گئی۔ بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان کو سورۃ الحاقہ سننے کا موقع ملا اور وہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

زمانہ اسلام

عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سنہ ۷ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ آج کل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابل التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے بعد ہی ان کا شمار ہو، اس مقصد کیلئے انہوں نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں کہ:

اسی فطرت سلیمہ کی بنا پر ان (عمرؓ) کو اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ ان کے ہمیشہ اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے:

کان عمر بن الخطاب یقیم یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر علی الاسلام انا واختہ وما مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود اسلام نہیں لاتے تھے (۱)۔

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے (۲)۔

اس کے بعد بت خانہ میں ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتھ غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر انہوں نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دیدیا۔ اس کے بعد ایک اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے:

اے امیر المؤمنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے (جس کو آپ جانتے ہیں) جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہوں (۳)۔

اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے داد طلب ہیں کہ:

ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایاں ہے جو ان میں گذشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے۔ ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متعدد مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔ ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سعید بن زید کی یہ

① سیر الصحابہ ص ۳۲۶ ② ایضاً ص ۳۲۷

③ اس سے مراد وہ روایات ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں

روایت پیش کی ہے:

کان عمر بن الخطاب یقیم
علی الاسلام انا واخته وما
یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر
مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود مسلمان نہیں
ہوئے تھے۔ (۱)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے۔ یہاں پر مصنف نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے بڑی جسارت سے کام لیا ہے۔ اول تو حدیث کے لفظ میں صریح تحریف کی ہے اور تحریف بھی ادب عربی کے خلاف ہے۔ پھر حدیث میں ”تقسیم“ کے بجائے ”موتقی“ ہے (۲)۔ جس کے معنی باندھنے کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے یہ عربی محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی لئے ہیں، اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے ہذا بہتان عظیم۔ چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں (۳)۔

بحبل او قد کالا سیر
تضییقا و اہانۃ
یعنی موتقی سے مراد رسی یا تسمہ سے قیدی کی
طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے
لئے باندھنا ہے۔

البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے جس کو بعض خوش فہموں نے اختیار کرنا چاہا تھا۔

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے، یعنی ہاتھ غیب کی آواز، اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ اس کو سن کر متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے۔ اس قصہ کے آخر میں یہ صاف مذکور ہے کہ اس کے بعد تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ اس لئے یہ بالکل ہی آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا۔ اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ثابت ہو جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔

آئیے اب ہم صحیح بخاری ہی کے ارشادات پر چل کر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش کریں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری میں ہیں:

حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، مشرکین بکثرت ان کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے صبا عمر، عمر بے دین ہو گئے، حضرت عمرؓ خوف زدہ گھر کے اندر تھے اور میں مکان کی چھت پر تھا (۱)۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے تھے بلکہ سن تمیز کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے اور تجربہ شاہد ہے کہ ۶،۵ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آگے چلئے، ۳۳ھ یعنی بعثت کے سولہویں سال غزوہ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی اس لئے خور و سال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیئے گئے تھے اور مجاہدین میں نہیں لئے گئے (۲)۔ اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش مانتی پڑے گی۔ اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کے لئے مانتی ہوگی تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہو جاتے ہیں۔ لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلام کے ۳۳ھ بعثت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتھ غیب کی آواز سننے کے سات سال بعد اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی دائرۃ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے۔ اعلانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعتاً حالت بدل گئی۔ انہوں نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے باواز بلند اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا۔ مشرکین نہایت برا فروختہ ہوئے لیکن عاص بن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے، ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشا دیکھتے تھے اس لئے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے متمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں۔ اس لئے انہوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابریات و استقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ برابر کعبہ میں جا کر نماز ادا کی (۳)۔

یہ پہلا موقع تھا کہ حق، باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربار

نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت ہوا۔
ہجرت

مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، اسی قدر مشرکین قریش کے بغض و عناد میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے تو اب انہیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اگر بلا کشان اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثبات قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمرؓ سنہ ۷ نبوی میں اسلام لائے تھے اور سنہ ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶، ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لئے آمادہ ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجموعوں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے (۱)۔

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر قبائیں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔ قباء کا دوسرا نام عوالی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرووگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۶۳۲ء میں خود آفتاب رسالت ﷺ بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضوا لگن ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی۔ اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو مال و اسباب میں نصف کا شریک بنا لیا۔ اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ و مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عتبہ بن مالک قرار پائے تھے جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا اور اس کا وقت آ گیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں۔ نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع

تر ہوتی جاتی تھی اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے۔ اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اسلام کا ایک شعارِ اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا (۱)۔ جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات اور دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا۔ حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے، تدبیر، جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے۔ عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں ہوتا تھا، خود ان کے خنجر خارا شگاف سے واصل جہنم ہوا (۱)۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔ بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے، اس لئے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ سے رائے لی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔ اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ علی عقیل کی گردن ماریں اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔

آنحضرت ﷺ کی شانِ رحمت نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بارگاہِ الہی میں یہ چیز پسند نہ آئی اس پر عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُكُونَ لَهُ
 أُسْرَىٰ حَتَّىٰ يُشْجِنَ فِي
 الْأَرْضِ النَّخِ
 کسی پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ
 اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ
 خونریزی نہ کر لے۔

حضور انور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے گریہ و زاری کی (۲)۔

① ابن جریر ص ۵۰۹ واستیعاب ترجمہ عمر بن الخطاب

② صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر و احیاء الغنائم

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔ اسی طرح غزوہٴ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے۔ سب میں حضرت عمرؓ گرم پیکار رہے، یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا، اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زره پوش تھے۔ ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی جس میں سو زره پوش اور دو سو سوار تھے۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے غنیمت کی صفیں تہ و بالا کر دیں۔ کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیانِ دین مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے، اس خیال سے وہ بھی جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعۃً عقب سے زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ غافل تھے اس لئے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے۔ یہاں تک کہ کفار نے خود ذاتِ اقدس ﷺ پر یورش کر دی اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چھب گئیں آپ ﷺ ایک کڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زور و شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت ﷺ اپنے تئیں فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا (۱)۔

ابوسفیان سالارِ قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ﷺ ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا نام لے کر کہا، یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا ”اودشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں“۔ ابوسفیان نے کہا ”اعلٰ ہبل“ یعنی اے ہبل بلند ہو (۲)۔ رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو، اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے (۳)۔

غزوہٴ احد کے بعد سنہ ۳ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت

① طبری ص ۱۳۱۱ ② ہبل ایک بت کا نام تھا ③ بخاری کتاب المغازی، غزوہٴ احد

حضرت رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بد عہدی کے باعث مدینہ سے جلا وطن کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے۔ سنہ ۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا، وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو متعین فرما دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمر متعین تھے۔ چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی (۱)۔ کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات و استقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو، حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لئے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا اس لئے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے ان کو روک رکھا۔ جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ نے یہ خبر سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (۲)۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی، ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی آنحضرت ﷺ بیعت لے رہے ہیں۔ اسی وقت بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لئے دستِ اقدس پر بیعت کی (۳)۔

قریش مصر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر بڑے رُودِ قدح

① بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ ② سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶

③ بخاری کتاب المغازی غزوہ حدیبیہ

کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہو گئے۔ اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو نہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سرور کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے بھی یہی گفتگو کی۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا، بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی (۱)۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورہ انا فتحننا لک فتحننا مبینا نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا اور فرمایا کہ آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے (۲)۔

سے یہ میں واقعہ خیبر پیش آیا۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ سپہ سالار ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے، لیکن یہ فخر حضرت علیؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ آخر میں جب آپ کو علم مرحمت ہوا تو آپ کے ہاتھوں خیبر کا رئیس مرحب مارا گیا اور خیبر مفتوح ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا شمع نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا، انہوں نے اس کو راہ خدا میں وقف کر دیا (۳)۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

آنحضرت اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا خیبر کے بعد قریش نے اس کو توڑ دیا۔ ابوسفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آ کر عذر خواہی کی، لیکن رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ اس لئے وہ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرادیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔ غرض نقص عہد کے باعث آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ کا قصد فرمایا، قریش میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور آنحضرت ﷺ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی

① بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اہل الحرب ② ایضاً کتاب التفسیر سورہ فتح

③ ایضاً کتاب الوصایا

جو تاریخوں میں بعینہ مذکور ہے، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف لائے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ آنحضرت ﷺ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ مس نہیں کرتے تھے، اس لئے جب عورتوں کی باری آئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ پھر سنہ ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کے لئے تر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و املاک کا آدھا حصہ لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا (۱)۔

اسلحہ اور سامان رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آ گئے۔

۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ بھی ہمراہ تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتدا ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن حضور انور ﷺ بیمار ہو گئے اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہو کر مسجد نبوی ﷺ میں اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے، پھر بھی فتنہ سقیفہ بنی ساعدہ کھڑا ہی ہو گیا۔ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق وقت پر پہنچ کر اپنے ناحن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شیعہ اسلام کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیتا۔ لیکن انصار کے ساتھ بہت بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد اور لوگوں نے بیت کی (۲)۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت صرف سوا دو برس رہی ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے۔ قرآن شریف کی تدوین کا کام خاص ان

① ترمذی فضائل ابی بکرؓ۔ لیکن ترمذی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی، البتہ سیر و تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔

② بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ

کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا (۱)۔ غرض حضرت ابو بکرؓ کو اپنے عہدِ خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصبِ خلافت کے لئے عمر فاروق سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور آئندہ کے لئے مفید اور موثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکرؓ نے (۶۳) تریسٹھ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمرؓ فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ یعنی سنہ ۱۲ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ اسی طرح سنہ ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے عنان حکومت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض ان ہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحات عراق

سیرت صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملے کے کیا وجوہ و اسباب تھے اور کس طرح اس کی ابتدا ہوئی، یہاں سلسلہ کے لئے مختصر اس قدر جان لینا چاہئے کہ خالد بن ولید بانقیاء، کسکر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر چکے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے ثنی بن حارثہ کو اپنا جانشین کر کے مہم شام کی اعانت کے لئے ان کو شام جانا پڑا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعتاً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیعت خلافت کے لئے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار آدمی آئے تھے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں آپ نے جہاد کا وعظ کیا۔ لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور اس کا فتح ہونا نہایت دشوار ہے، اس لئے ہر طرف سے صدائے برنخاست کا معاملہ رہا۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا، آخر چوتھے دن ایسی پر جوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے۔ ثنی شیبانی نے کہا کہ ”مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں، ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لئے اور عجمی اب ہمارا لوہا

مان گئے ہیں۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبیدہ ثقفی نے جوش میں آ کر کہا ”انا لہذا“ یعنی اس کے لئے میں ہوں۔ ابو عبیدہ کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا چنانچہ پوران وخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہ ایران کو متولیہ تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی، اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کر دیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ پوران وخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کے لئے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونوں دور استوں سے روانہ ہوئے۔ جابان کی فوج نمازق پہنچ کر ابو عبیدہ کی فوج سے برسر پیکار ہوئی اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی۔ ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مروان شاہ مارے گئے۔ جابان گرفتار ہوا مگر اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا، جابان نے اس سے کہا کہ میں بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں، معاوضے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس نے منظور کر لیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا، لوگوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہئے تھا لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گراں کو بھی شکست دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قرب و جوار کے تمام رؤسا خود بخود مطیع ہو گئے۔ نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ ابو عبیدہ نے فوجی افسروں کے شدید اختلافات کے باوجود فرات سے پار اتر کر غنیم سے نبرد آزما کی۔ چونکہ اس پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا۔ نیز عربی دلاڑوں کیلئے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا، اسلئے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برا فروختہ کیا۔ انہوں نے اپنے پر جوش خطبوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی۔ ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج

عرب و عجم کا مقابلہ ہے، اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گراں کے ساتھ جریر بجلی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا۔ یہاں ثنی نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی۔

پوران وخت نے ان تیاریوں کا حال سنا تو اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزما بہادر منتخب کر کے مہران بن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے۔ حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آراء ہوئے۔ ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مہران بن تغلب ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ثنی نے پل کا راستہ روک دیا اور اتنے آدمیوں کو تیغ کیا کہ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ کے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے وہاں اس زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ ثنی نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بیسٹار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی، اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیشقدمی شروع ہو گئی۔ سورا، کسکر، صراہ اور فلاح وغیرہ پر اسلامی پھیرا لہرانے لگا۔ پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ حکومت کا نظام بالکل بدل دیا گیا۔ پوران وخت معزول کی گئی، یزدگرد جو سولہ سالہ نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا تخت سلطان پر بٹھا دیا گیا۔ اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیوں کو مستحکم کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلانی جائے۔ ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی زندگی پیدا ہو گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ثنی مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے اور ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے، ایک تاریخ معین تک علم اسلامی نیچے جمع ہونے کے لئے طلب کیا۔ نیز دربار خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاریوں کا حال سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً سترہ صحابی تھے جو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے۔ تین سو وہ تھے جنہیں الرضوان کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے لیکن ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ثنی آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام

ذی قار میں اس عظیم الشان مکہ کا انتظار کر رہے تھے کہ اس اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے ان کے بھائی مغنی شراف آ کر حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملے اور ثنی نے جو ضروری مشورے دیئے تھے ان سے بیان کئے۔

حضرت عمرؓ نے ایام جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس سرزمین کے چپے چپے سے واقف تھے اس لئے انہوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجے جائیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرد گاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے ان کو اطلاع دی۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل بیان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایتیں درج تھیں، اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادیسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے۔

حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادیسیہ میں مورچے جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مغمور تھے، وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے، چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سے سکوت رہا۔ رستم ساٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرار ہا تھا اور مسلمان اس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے مویشی وغیرہ حاصل کر لاتے تھے جب اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کے لئے بڑھنا پڑا۔ اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادیسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رستم قادیسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور مدتوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا، رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور رستم کھا کر کہا "آفتاب کی قسم! اب میں تمام عربوں کو ویران کر دوں گا۔"

قادیسیہ کی فیصلہ کن جنگ

اور غضب ناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں

مصروف رہا۔ صبح کے وقت قادیسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا جس کے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے۔

دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی۔ دن بھر ہنگامہ برپا رہا۔ شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے، قادیسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

قادیسیہ کی دوسری جنگ معرکہ انغواث کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکہ میں مہم شام کی چھ ہزار فوج عین جنگ کے وقت پہنچی اور حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین جنگ کے موقع پر پہنچے اور پکار کر کہا "امیر المؤمنین نے یہ انعام ان کے لئے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں"۔ اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا۔ تمام دن جنگ ہوتی رہی۔ شام تک مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں مجاہدین کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے نقصان پہنچا تھا۔ اگرچہ قعقاع نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا، تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخیم و سلم وغیرہ پاری نو مسلموں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیئے جائیں۔ سعدؓ نے قعقاع، جمال اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا اور ہر چھ مار مار کر آنکھیں بیکار کر دیں۔ قعقاع نے آگے بڑھ کر پیل سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ مستک الگ ہو گئی۔ جھرجھری لے کر بھاگا، اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہولنے۔ اس طرح دم کے دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا۔ دن بھر ہنگامہ کارزار گرام رہا۔ رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا اور اس زور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی، اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا، لیکن آکر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے گا، بلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کیا اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا اور تلوار سے کام تمام کر دیا۔ رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو گیا۔ ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ

گئے۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔
 قادسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا۔ درفش کا دیانی ہمیشہ کے
 لئے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سر زمین پر لہرانے لگا۔
 مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوئی، بہرہ شیر اور خود نوشیروانی
 دارالحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولا کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا۔ اس
 دوران میں رستم کے بھائی خرداد نے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کر لی۔ سعد نے
 ہاشم بن عتبہ کو جلولا کی تسخیر پر مامور کیا۔ جلولا چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لئے مہینوں کے
 محاصرہ کے بعد مفتوح ہوا۔ یہاں سے قعقاع کی سپردگی میں ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی
 اور خسرو و شنوم کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گیا۔

قعقاع نے حلوان میں قیام کیا اور عام منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے
 وہ مامون و محفوظ رہیں گے۔ اس منادی پر بہت سے امراء اور رؤسا برضا و رغبت اسلام میں آگئے
 یہ عراق کی آخری فتح تھی، کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وہ فرمایا
 کرتے تھے کہ ”کاش! ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ
 ہم ان پر چڑھ سکتے۔“ لیکن ایرانیوں کو عراق سے نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا،
 چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولا کے بعد مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کے ٹھاٹھ لگائے اور
 تمام ملک میں فرامین و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقاومت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد کے فرامین نے تمام ممالک میں آگ لگادی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا نڈی دل
 قم میں آ کر مجتمع ہوا۔ یزدگرد نے مروان شاہ کو سر لشکر مقرر کر کے نہادند کی طرف روانہ کیا۔ اس
 معرکہ میں درفش کا دیانی جس کو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے، فال نیک کے خیال سے نکالا گیا اور
 جب مروان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

ایرانیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت
 کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا۔ نہادند کے قریب دونوں فوجیں
 سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کارن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی۔
 یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نعیم
 بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ جاری رکھی اور رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے
 پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ اس لڑائی میں تقریباً تین ہزار عجمی کھیت

رہے۔ نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام ”فتح الفتوح“ رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی، اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی

واقعہ نہادند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین پر موجود ہے، بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا۔ اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو دیئے۔ اور انہیں خاص خاص ممالک کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ سنہ ۲۱ھ میں یہ سب غازیان اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے اور نہایت جوش و خروش سے حملہ کر کے تمام ممالک کو اسلام کا زیر نگیں کر دیا اور صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت نیست و نابود ہو گئی۔

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا۔ خاقان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج گراں اس کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لے کر خراسان کی طرف بڑھا اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ میں صف آرائی کی لیکن صفائی کے دوہی ہاتھ نے اس کے عزم و استقلال کو متزلزل کر دیا اور اس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور اپنے حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لئے ترکستان کا عزم کیا۔ درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو روکا، اس نے نہ مانا تو مقابلہ کر کے تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سرو سامان خاقان کے پاس پہنچا اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

اللَّهُمَّ مَلِكِ الْمُلْكِ تَوْتِي	خدا یا تو ہی ملکوں کا مالک ہے جس کو چاہتا
الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ	ہے ملک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین
الْمُلْكِ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزُ	لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے
مَنْ تَشَاءُ وَتُدِلُّ مَنْ تَشَاءُ	جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، ساری
بِيَدِكَ الْخَيْرِ	بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔

احنف نے بارگاہ خلافت میں نامہ فتح روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے یہ مشرودہ جانفراسنایا اور ایک مؤثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ کسی طرح اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دیگا۔

فتوحاتِ شام

ممالکِ شام میں سے اجنادین بصری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہدِ صدیقی میں فتح ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا، خالدؓ سیف اللہ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے حسن تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقامِ بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبلؓ سفیر بن کر گئے۔ لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر کار ذیقعدہ سنہ ۱۴ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خونریز معرکہ پیش آئے۔ خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا، بالآخر یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا (۱)۔ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے۔ رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ ”مقتولین کی جان و مال، زمین، مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ ہیں“۔ دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، حماة، شیراز اور معرة النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی۔ سپہ سالار اعظم ابو عبیدہؓ نے عبادہ ابن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے ہر قلعہ کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا لیکن بارگاہِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اسلئے فوجیں واپس آگئیں (۲)۔

میدانِ یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ

دمشق، حمص اور لاذقیہ کی پیہم اور متواتر ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا

اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کے لئے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا (۱)۔ کیونکہ اب مسلمان ان کی حفاظت کرنے سے مجبور تھے۔ اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خداتم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمرؓ کو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ جانے کی خبر ملی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہو گئی اور فرمایا خدا کی قسم اسی میں مصلحت ہوگی۔ سعید بن عامرؓ کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچانا:

الا عمر یقرنک الاسلام ویقول لکم یا اهل السلام اصدقوا
اللقاء وشدوا علیہم مثدا للیوث ولیکونوا اہون علیکم من
الذرفا ناقد علمنا انکم علیہم منصورون۔

اے برادران اسلام! عمرؓ نے بعد سلام کے تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں۔ ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔

اردن کی حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باموقع تھا، اس لئے اس اہم معرکہ کے لئے اسی میدان کو منتخب کیا گیا۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بیس ہزار تھی، لیکن سب کے سب یگانہ روزگار تھے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جمال مبارک دیکھا تھا، سو (۱۰۰) وہ تھے جو غزوہ بدر میں حضور خیر الانام ﷺ کے ہمراہ رہ چکے تھے۔ عام مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا۔ پانچویں رجب ۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے۔ ہزاروں پادری اور بشارت ہاتھوں میں صلیب لئے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کا

نام لے کر جوش دلاتے تھے۔ اس جوش و اہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا، فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے اور مسلمان کل تین ہزار کام آئے۔ قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا (۱)۔ حضرت عمرؓ نے مشرکہ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں اور قنسرين، انطاکیہ، جومہ، سرین، توزی، قورس، تل غرار، ولوک، رعیان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔

بیت المقدس

فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاص مامور ہوئے تھے، انہوں نے نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین وغیرہ پر قبضہ کر کے سنہ ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اس اثناء میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی اس مہم سے فارغ ہو کر ان سے مل گئے۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور اپنے اطمینان کے لئے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی گئی۔ انہوں نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور جب سنہ ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے (۲)۔

بیت المقدس کا سفر

حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا۔ مقام جابہ میں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ پہلے مسجد میں تشریف لے گئے۔ پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی۔ نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اسکو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں باہر نکل کر نماز پڑھی (۳)۔ بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا۔ سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر و خوبی مدینہ واپس تشریف لائے۔

① فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳، واقعات کی تفصیل از دی سے ماخوذ ہے ② طبری ص ۲۴۰۴

③ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۷

متفرق معرکے اور فتوحات

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے۔ اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ فلسطین کے اضلاع میں قیساریہ نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا۔ ۳۱۳ھ میں عمرو بن العاصؓ نے اس پر چڑھائی کی۔ ۱۸ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہو سکا۔ آخر ۱۸ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ جزیرہ پر ۱۶ھ میں عبداللہ بن المغنم نے فوج کشی کی، تکریت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور چوبیس دفعہ حملے ہوئے، آخر میں حسن تدبیر سے مسخر ہوا۔ باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا۔ اسی طرح ۱۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا۔ ۱۷ھ میں وہ معزول ہوئے اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مقرر ہوئے۔ انہوں نے نئے سر و سامان سے حملہ کیا اور اہواز، مناظر، سوس، رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور قلعہ بند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی راہنمائی سے مسلمانوں نے تہ خانہ کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کر لیا۔ یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کیا (۱)۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ مقرر کر دیا۔

فتوحات مصر

حضرت عمرو بن العاصؓ نے بہ اصرار فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا اور فرما، بلپس، ام وین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لئے لکھا۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے۔ زبیر بن العوامؓ، عبادہ بن صامتؓ، مقداد بن عمروؓ، سلمہ بن مخلصؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں۔ مقام کربوں میں ایک سخت جنگ ہوئی، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا (۲)۔ فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبطنی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

① عقد الفرید ابن عبد ربہ باب المکیدہ فی الحرب ② مقریزی ص ۲۶۷

شہادت

مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابو لولوتھی، حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی، شکایت بے جا تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کئے۔ حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے نماز پڑھائی (۱) یہ ایسا زخم کاری تھا کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں، علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی (۲)۔

اس کے بعد مہاجرین انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۳ھ میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے بیٹھی نیند سو رہا۔

ازدواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کئے۔ ان کے ازدواج کی تفصیل یہ ہے:

- ① زینب، ہمشیرہ عثمان بن مظعون: مکہ میں مسلمان ہو کر مرے۔
- ② قریبہ بنت مویہ الحزومی: مشرک ہونے کے باعث انہیں طلاق دیدی تھی۔
- ③ ملکیہ بنت حرویل: مشرک ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دیدی۔
- ④ عاتکہ بنت زید: ان کو بھی طلاق دیدی۔
- ⑤ عاتکہ بنت زید: ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا، پھر حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔
- ⑥ ام کلثوم: رسول اللہ ﷺ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی نور دیدہ تھیں، حضرت عمرؓ نے خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لئے سنہ ۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ازواجِ مطہرات میں داخل تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی انہی کے نام پر رکھی تھی۔
اولادِ مذکور کے نام یہ ہیں:

- | | | |
|--------------|--------|------------|
| ① عبد اللہ | ② عاصم | ③ ابو شحمہ |
| ④ عبد الرحمن | ⑤ زید | ⑥ مجیر۔ |

ان سب میں عبد اللہ، عبید اللہ اور عاصم اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں (۱)۔

① طبقات ابن سعد، تذکرہ عمر بن الخطابؓ

فاروقی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات، اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرائی لشکروں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا۔ لیکن ان کے فتوحات کو فاروق اعظمؓ کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے۔ چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا۔ فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں سے متعلق تعرض نہ کیا جائے۔ قتل عام تو ایک طرف، ہرے بھرے درختوں تک کو کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوشِ امتنان میں مسلمانوں کی اعانت و مساعدت سے دریغ نہیں کرتے تھے، فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دیں (۱)۔ حملہ مصر میں قبیلوں نے سیرینا کا کام کیا (۲)۔ اسی طرح عراق میں عجمیوں نے اسلامی لشکر کے لئے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گراں خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے

مقابلہ میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے۔ سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کے لئے مفید ثابت ہوئیں، لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیر پا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ اس کے برخلاف فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی، اس لئے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپی مورخین عہدِ فاروقی کے اس بدلیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل بد نظمیوں کے باعث اوج اقبال سے گزر چکی تھیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں یاد شاہوں کے اول بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہو گئی تھیں کہ روم و ایران میں قسطنطین اعظم اور خرد پرویز کا جاہ و جلال نہ تھا، تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دنیا کا عجیب و غریب واقعہ ہے اور ہم کو اس کا راز ان سلطنتوں میں کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظامِ خلاف اور خلیفہ وقت کے طرزِ عمل میں تلاش کرنا چاہئے۔

نظامِ خلافت

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابو بکرؓ صدیق کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے لیکن منظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا۔ انہوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ میں شامل کیا بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں، سب ان کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت جمہوری طرزِ حکومت سے مشابہ تھی، یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ (۱)۔

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سردارانِ قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی، ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جس کو ہم مجلس خاص کہتے ہیں۔ اس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے (۱)۔

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی ”الصلاة جامعة“ کا اعلان کرتا تھا لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے (۲)۔

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے۔ حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا اور خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ نمونہ کے لئے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے
جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی
کا ہوتا ہے، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ
لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو
اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا، صاحبو!
میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا
تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ
کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بے جا طور
پر صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ تمہارے
روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو
محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ
ڈالوں۔

انما انا و لکم کولی الیتیم ان
استغیث استعفففت وان
افتقرت اکلت بالمعروف لکم
علی ایہا الناس خصال
فخذونی بہا لکم علی ان لا
اجتبی شیئاً من خراجکم
ومما افاء اللہ علیکم الا من
وجہہ لکم علی اذا وقع فی
یدی ان لا یخرج منی الا فی
حصہ وما لکم ان اریدنی
اعطیاتکم و اسد ثغورکم
ولکم علی ان لا القیکم فی
المہالک (۳)

① فتوح البلدان بلاذری ص ۶۷ ② تاریخ طبری ص ۲۵۷ ③ کتاب الخراج ص ۶۷

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عامل بھی تھے، واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں اس لئے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ”بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا، وہ بے چاری خفیف ہو کر چلی گئیں (۱)۔“

ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ ”اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں“ (۲)۔

ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہمات امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود خلیفہ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا ”اتق اللہ یا عمر (۳)“ اے عمر! خدا سے ڈرو۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”نہیں، کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم“۔ یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے، ایک عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا اور کہا ”اتق اللہ یا عمر!“ یعنی اے عمر! خدا سے ڈر! اس کا اعتراض صحیح تھا۔ حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و شہادت کا مجسم پتلا بنا دیا۔

خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا اور اس طرح حکومت کی ہر شاخ کو مستقل محکمہ کی صورت قائم کر دیا تھا

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتداء کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان، فارس۔ ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے:

- | | | | |
|--------------|---------------------------|------------------|-----------------|
| ① والی | یعنی حاکم صوبہ | ② کاتب | یعنی میرنشی |
| ③ کاتب دیوان | یعنی فوجی محکمہ کا میرنشی | ④ صاحب الخراج | یعنی کلکٹر |
| ⑤ صاحب احداث | یعنی افسر پولیس | ⑥ صاحب بیت المال | یعنی افسر خزانہ |
| ⑦ قاضی | یعنی جج | | |

چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی، عثمان بن حنیفؓ کلکٹر، عبداللہ ابن مسعودؓ افسر خزانہ، شریح قاضی اور عبداللہ بن خزاعیؓ کاتب دیوان تھے (۱)۔

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کسی لائق راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمرؓ میں جو ہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لئے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے۔ چنانچہ نہادند کی عظیم الشان مہم کے لئے نعمان ابن مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا (۲)۔

احتساب

خليفة وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے۔ حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا (۳)۔ اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال بنا لیتے تھے (۴) اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا مال بنا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔ موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے (۵)۔ چنانچہ ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا

① طبری ص ۶۴۱ ② استیعاب تذکرہ نعمان ③ طبری ص ۲۷۷ ④ فتوح البلدان ص ۲۱۹

⑤ تاریخ طبری ص ۲۶۸

تدارک کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ عمال پر یہ عمل گراں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ عمرو بن العاصؓ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دوا شرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے (۱)۔

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاج اسلام کے گوہر شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے محض اس لئے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں (۲)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے، شکایتیں گزریں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لئے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی، حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا تو انہوں نے دوا اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی (۳)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھا کئے (۴)۔

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا، محمد بن مسلمہؓ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اترا دیا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا۔ عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے، اس سے

① کتاب الخراج ص ۶۶ ② ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۸

③ طبری ص ۱۲، ص ۲۷۱ ④ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵

مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں؟ عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے (۱) حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے، انہوں نے عرب جیسی فخر قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے (۲)۔

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ آنکلی، یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا، ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اوما تری فتنۃ للمتبوع
ومذلة للمتابع (۳)

تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

شعر و شاعری کے ذریعہ جو بد گوئی عرب کا عام مذاق تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا۔ ہطیہ اس زمانہ کا مشہور جو گو شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی بچو نہیں لکھے گا (۴)۔ ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی۔ شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قحطی طور پر منع کر دیا۔ شراب خوری کی سزا سخت کر دی۔ چالیس ڈڑے سے اسی ڈڑے کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرمانہ ہو جائیں۔ افسروں کو خاص طور پر عیسائیوں اور پارسیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے، سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر یا دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو (۵)۔

مسلمانوں کو اخلاق ذمبیہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی۔ مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام عمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں

① کتاب الخراج ص ۲۶۱ ② ادب المفرب باب ہل یجلس خادمہ معہ اذ اکل

③ مسند داری ص ۷۰ ④ اسد الغابہ تذکرہ زہر قان ⑤ طبری ص ۲۳۰۳

کو مارا نہ کریں اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے (۱)۔

ملکی نظم و نسق

شام و ایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیر میں دے دیے جائیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے۔ حضرت بلالؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا "اللہم اکفنی بلالا" لیکن خود حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے۔ غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظمؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا (۲)۔

عراق کی پیمائش کرائی، قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا۔ عشر کا طریقہ آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح شام و مصر میں بھی لگان تشخیص کیا لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا۔ تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی۔ اسلام میں یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے تو ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا۔ اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں، اس لئے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی۔ اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے لئے اصول و قوانین بنائے۔ قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تاکہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ سلمانؓ، ربیعہؓ اور قاضی شریحؓ کی تنخواہیں پانچ سو درہم ماہانہ تھی (۳)۔ اور امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی (۴)۔ حل طلب مسائل کے لئے شعبہ افتاء قائم کیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوذرؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے احداث یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

② کتاب الخراج ص ۱۴، ۱۵

① ابن اسد قسم اول جزو ۳ ص ۲۰۱

④ استیعاب تذکرۃ امیر معاویہؓ

③ فتح القدر حاشیہ ہدایہ ج ۲ ص ۲۴۷

اس کے افسر کا نام ”صاحب الاحداث“ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنا دیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں، احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لا د جائے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے۔ اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن کا تعلق پبلک مفاد اور احترام شریعت سے تھا، پورا انتظام تھا اور صاحبان احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا (۱)۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانہ بنوائے۔ جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو بکرؓ ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلا وطن کر دیا تھا (۲)۔

بیت المال

خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً سنہ ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دار الخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود خزانہ کے افسر تھے۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار الخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے، صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔ بیت المال کے حساب کتاب کے لئے مختلف رجسٹر بنوائے، اس وقت تک کسی مستقل سنہ کا عرب میں رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں سنہ ہجری ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

تعمیرات

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لئے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لئے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے۔ خزانہ کے حفاظت کے لئے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا (۱)۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو بہل اور آرام دہ بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے سنہ ۷۱ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے (۲)۔ ترقی زراعت کے لئے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا۔ مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کے لئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی۔ یہ نہر نو میل لمبی تھی (۳)۔ اسی طرح نہر معقل جس کی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر المعقل (۴)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی (۵)۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المؤمنین کے نام سے مشہور ہوئی جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا (۶)۔

مستعمرات

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انہوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نوآبادیاں قائم کیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک

③ فتوح البلدان ص ۳۶۵

② ایضاً ص ۵۲۹

① طبری ذکر آبادی کوفہ

⑥ حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸

⑤ ایضاً ص ۳۸۳

④ ایضاً ص ۳۶۶

اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

بصرہ

۱۴ھ میں عتبہ بن غزوٰان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا، ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے (۸۰،۰۰۰) اسی ہزار اور ان کی آل و اولاد کی (۱۲۰،۰۰۰) ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مدتوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا ہے۔

کوفہ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے امیر المؤمنین کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمانروا نعمان بن منذر کے پایہ تخت کو آباد کیا اور اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھ بھیجی۔ اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں۔ اس سے کم کی مقدار ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ سے کم نہ ہو۔ جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے (۱)۔ مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو اس اسلام فرمایا کرتے تھے۔ علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا۔ امام نخعی، حماد، امام ابوحنیفہ اور امام شعبی اسی معدن کے لعل و گہر تھے۔

فسطاط

دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسل بنا لیا۔ عمرو بن العاص نے کوچ کے وقت قصد اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ مصر کی تسخیر کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا۔ چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں۔ اس لئے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا (۲)۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور پورے مصر کا صدر مقرر ہو گیا۔ چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج

وکمال کا نقشہ کھینچا ہے:

”یہ شہر بغداد کا ناخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں، نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔“

موصل

یہ پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لئے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ

فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لپ ساحل مقرر کر دی تھی۔ ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آ گیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کے لئے سنہ ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کر دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نوآبادی کی صورت پیدا ہو گئی (۱)۔

فوجی انتظامات

اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے تو اس کو ایک منظم اور فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی اس لئے پہلے قریش و انصار سے آغاز کیا اور مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیل بن ابی طالبؓ کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش و انصار کا ایک رجسٹریار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو۔ اس ہدایت کے مطابق رجسٹریار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لئے وظائف مقرر ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد کو رکی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں (۲)۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

① جبیرہ کے تفصیلی حالات مقریزی میں مذکور ہیں ② تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں،

دیکھو کتاب الخراج ص ۲۲ و مقریزی ج ۱ ص ۹۲ و بلاذری ص ۴۵۳

کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا۔ پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی نسل کی علی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی۔ یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لئے وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا (۱)۔ گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا۔ تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا، اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء الاعشار کہتے ہیں۔ تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں وہ امرائے عشائر کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسن خدمت اور کارگزاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ زہرہ، عصمہ اور صنم وغیرہ نے قادیسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا، اس صلہ میں ان کی تنخواہیں دو دو ہزار سے اڑھائی اڑھائی ہزار کر دی گئیں۔

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا، انہوں نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیئے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے۔ کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔

قواعد کے متعلق چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا۔ ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لئے رخصت دی جاتی تھی۔ جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے بچیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز و شاداب مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں، بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں آب و ہوا کی خوبی کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لئے اعلیٰ اصول وضع کر دیئے تھے کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین۔ ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں۔ جہاں

تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

فوج میں حسب ذیل عہدے دار لازمی طور پر رہتے تھے۔ خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح اور جاسوس جو غنیمت کی نقل و حرکت کی خبریں بہم پہنچایا کرتے تھے۔ یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی۔ چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی (۱)۔ اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے:

و کانت تکون لعمر العیون
فی کل جیش
ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے۔

آلات جنگ میں تیغ و سنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لئے منجنیق اور دباہ بھی ساتھ رہتا تھا چنانچہ دمشق کے محاصروں میں منجنیقوں کا استعمال ہوا تھا (۲)۔
فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی:

- | | | | |
|------------|----------|-----------|-----------------------|
| ① مقدمہ، | ② قلب، | ③ میمنہ، | ④ میسرہ، |
| ⑤ ساقہ، | ⑥ طلیعہ، | ⑦ سفرینا، | ⑧ روا یعنی عقبی گارڈ، |
| ⑨ شترسوار، | ⑩ سوار، | ⑪ پیادہ، | ⑫ تیر انداز۔ |

گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا۔ ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے لیس رہتے تھے۔ موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے۔ خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی، اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا، گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے ”جیش فی سبیل اللہ“ نقش کیا جاتا تھا۔ عرب کی تلوار اپنی فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنون احسان نہیں ہوئی لیکن حریف اقوام کو خود ان ہی کے ہم قوموں سے لڑانا فن جنگ کا ایک بڑا اصول ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت خوبی سے برتا۔ ضد ہاشمی، یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی۔ قادیسیہ کے معرکہ میں دوران جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار فوج حلقہ اسلام میں آگئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور ان کی تیخو اہیں مقرر کر دیں۔ یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی عین حالت جنگ میں مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔

مذہبی خدمات

مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس میں بہت اہمیت تھی لیکن تلوار کے زور سے نہیں، بلکہ اخلاق کی قوت سے، انہوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے باوجود ترغیب و ہدایت کے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین (۱)۔ یعنی مذہب میں جبر نہیں۔ حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے محاسنِ اسلام پیش کر کے ان کو شریعتِ عزا کی دعوت دی جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت و ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا، وہ جس طرف گزر جاتے تھے لوگ ان کے اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ رومی سفیرِ اسلامی کیمپ میں آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھینچ گیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا (۲)۔

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے، نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی جانب مائل کئے جاسکتے تھے، حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے فتوحات کی بواجہی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلادیا۔ چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد دہلیم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا (۳)۔ اسی طرح فتحِ جلولا کے بعد بہت سے رؤسا برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں: جمیل بن بصری، بسطام بن نزی، رفیل، فیروزان (۴)۔ عراق کی طرح شام و مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ شہرِ فسطاط میں ایک بڑا محلہ نو مسلموں کا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ دینِ حنیف کا آئندہ کے لئے راستہ صاف کر گئے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعائرِ اسلامی کی ترویج تھی۔ اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابو بکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے، قرآن مجید جو اساسِ اسلام ہے حضرت عمرؓ ہی کے اصرار سے کتابی صورت میں عہدِ صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا۔ معلمین اور حفاظ اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۵)۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ،

① کنز العمال ج ۵ ص ۴۹ ② مقریزی ص ۲۳۶ ③ فتوح البلدان ص ۲۰۹ ④ ایضاً فتحِ جلولا

⑤ سیرۃ العمری میں مذکور ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان کان یرزقان المودین والائمة والمعلمین.

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو جو حفاظ قرآن اور صحابہ کبار میں سے تھے، قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے ملک شام میں روانہ کیا (۱)۔ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے لئے تاکید و احکام روانہ کیئے۔ ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں: تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ۔ غرض حضرت عمرؓ کی مساعی جیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی نہیں، حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں (۲)۔

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

احادیث نبوی ﷺ کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا۔ عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین اور معقل بن یسارؓ کو بصرہ بھیجا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا (۳)۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں، ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے روایت قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا۔ ایک دفعہ آپ کسی کام میں مشغول تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابوموسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو، اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس روایت کا ثبوت دو درجہ میں تم کو سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ اسی طرح سقط یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے مسئلہ میں مغیرہؓ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی۔ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو انہوں نے تسلیم کیا (۵)۔ حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا۔ جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ اپنا اطمینان مقصود تھا (۶)۔

حضرت عمرؓ کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ جب

③ ازالۃ الخلفاء ج ۲ ص ۶

① کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱ ② ایضاً ص ۲۱۷

④ مسلم باب الاستیذان ⑤ ابوداؤد کتاب الديات باب دية الجبین ⑥ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمر

قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایک ایسے ملک میں جاتے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کا احادیث کی طرف مبذول کر دو (۱)۔ حضرت ابو ہریرہؓ بڑے حافظ حدیث تھے اس لئے وہ روایتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح روایت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اس زمانہ میں ایسا کرتا تو ڈرے کھاتا (۲)۔ حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور دور دراز ممالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے۔ مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کرا کے طے کراتے تھے۔ اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہاء مقرر کئے تھے جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے اور حسب بیان ابن جوزی حضرت عمرؓ نے فقہاء کی بیش قرار تخواہیں مقرر کی تھیں۔ اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا۔ غرض یہ کہ فاروق اعظم کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا جس کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بڑی توجہ کی۔ تمام ممالک محروسہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ امام اور مؤذن مقرر کیئے، حرم محترم کی عمارت نا کافی تھی اس کو وسیع کیا۔ غلاف کعبہ کے لئے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کو بھی نہایت وسعت دی۔ پہلے اس کا طول سو گز تھا انہوں نے بڑھا کر ۱۴۰ گز کر دیا۔ غرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چبوترا بنوادیا کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو تو یہاں چلا آئے۔ مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ کے عہد سے ہی ہوا۔ حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا۔ ہر سال خود حج کے لئے جاتے تھے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے (۳)۔

متفرق انتظامات

ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم ان متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں آتے۔

۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی وہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہے گی۔ بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا، تمام صوبوں سے غلہ منگوا یا اور

① تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمر ۶ ② ایضاً ص ۷ ③ اسد الغابہ تذکرہ عمر

انتظام کے ساتھ قحط زدوں میں تقسیم کیا (۱)۔ لاوارث بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش پر داخت کا انتظام کیا (۲)۔ غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کئے اور منبر پر اس کا اعلان فرمایا:

انسی فرصت لكل نفس
مسلمة في شهع مدى حنطة

میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

وقسطی خل

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی (۳)۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ اس طرح مفت خوری سے لوگ کاہل ہو جائیں گے۔ درحقیقت انہوں نے ان ہی لوگوں کے روزینے مقرر کئے تھے جو یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے۔

ملکی حالات سے واقفیت کے لئے ملک کے ہر حصے میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کئے تھے جن کے ذریعہ سے ہر جزئی واقع کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ مؤرخ طبری لکھتے ہیں:

وکان عمر لا یخفی علیہ
شی فی علمہ کتب الیہ من
العراق یخرج من خرج ومن
الشام بجائزة من اجیز بہا

عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب ہی ان کو لکھا جاتا تھا۔

محکمہ خبر رسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میسان نے عیش و عشرت میں بہتلا ہو کر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا:

لعل امیر المؤمنین یسوء ہ
غالباً امیر المؤمنین برامائیں گے کہ ہم لوگ

تنادمنا بالجوسق المتهدم

مخلوں میں رندان صحبت رکھتے ہیں

اس محکمے کو میاں بیوی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کر کے لکھا

کہ ”ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی“ (۴)۔

عدل و انصاف

خلافتِ فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے، ان کے عہد میں کبھی سرمو بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا۔ شاہ و گدا، شریف و رزیل، عزیز و یرغمانہ سب کے لئے ایک ہی قانون تھا۔ ایک دفعہ عمر بن العاصؓ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا۔ حضرت عمرؓ نے

② ایضاً ص ۱۷۱

① یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۱ میں اس کی پوری تفصیل ہے

④ استیعاب ج ۱ تذکرہ نعمان بن عدی

③ فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافتہ عمر بن خطاب

اسی مضروب سے ان کے کوڑے لگوائے۔ عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھا کئے اور دم نہ مار سکے (۱)۔ جبکہ بن اسہم رئیس شام نے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبکہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبکہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جو آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام حضرت زیدؓ کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن رسول اللہ ﷺ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے (۲)۔

فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا دیوان عدل مسلمان، یہودی، عیسائی سب کے لئے یکساں تھا۔ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کیا گیا اور اس نے اس کو مقتول عزیز کے بدلہ میں قتل کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو گداگری کرتے دیکھا، پوچھا ”تو بھیک مانگتا ہے“ اس نے کہا ”مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں“۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے آئے اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ ”اس قسم کے ذمی مساکین کے لئے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں“ (۳)۔

عربوں کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلا وطن کیا گیا۔ مگر اس طرح کہ ان کی املاک کی دوچند قیمت دی گئی (۴)۔ نجران کے عیسائیوں کو جلا وطن کیا گیا تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا (۵)۔

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵
 ② مستدرک حاکم جلد ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ
 ③ کتاب الخراج ص ۷۲
 ④ فتوح البلدان ص ۱۶۳
 ⑤ طبری ص ۶۱۶۲

علم و فضل

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اسی زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا (۱)۔ حضرت عمرؓ کے فرامین، خطوط، توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان سے ان کی قوت تحریر بر جستگی کلام اور زور تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بیعت خلافت کے بعد جو خطبہ دیا اس کے چند فقرے یہ ہیں:

اللهم انى غليظ فلينى،	اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر، میں
اللهم انى ضعيف فقونى الا	کمزور ہوں مجھ کو قوت دے، ہاں عرب
وان العرب جمل انف وقد	والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے
اعطيت خطامه الا وانى	ہاتھ میں دیدی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ
حامله على المحجة	پر چلا کر چھوڑوں گا۔

قوت تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کے چند فقرے ہیں:

اما بعد فان القوة فى العمل	اما بعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام
ان لا توخروا عمل اليوم لغد	کل پر نہ اٹھا رکھو، ایسا کرو گے تو تمہارے
فانكم اذا فعلتم ذلك قد	بہت سے کام جمع ہو جائیں گے، پھر
اركت عليكم اعمالكم فلم	پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو
تدروا ايها تاخذون فاضعتم	چھوڑ دیں، اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

شاعری کا خاص ذوق تھا اور شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، مشاہیر میں سے زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے (۲) لیکن اس کی

① بلاذری ص ۴۷۷ ② ابوعلیٰ الحسن بن رشيق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں

طرف زیادہ تو غل نہ تھا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج بھی عربی ادب کی جان ہیں۔ علم الانساب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ علم کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ ان کے والد خطاب مشہور نساب تھے۔ جاہظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ کا حوالہ دیتے تھے (۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان بھی انہوں نے سیکھ لی تھی۔ مسند دارمی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ تورات کا نسخہ آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے اور پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے (۲)۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ تورات کو خود پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ قنطرة ذہین، طباع اور صائب الرائے تھے۔ اصابت رائے کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا۔ اسیران بدر کے متعلق جو رائے انہوں نے دی وحی الہی نے اسی کی تائید کی۔ شراب کی حرمت، ازواج مطہرات کے پردہ اور مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو رائے دی تھی (۳)۔

آپ کو بارگاہ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے قدرۃ ان کو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا۔ طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی اس لئے آئندہ نسلوں کے لئے اجتہاد اور استنباط مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی۔ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر غور و فکر کیا کرتے تھے اور جب کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا تو اس کو آپ ﷺ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ سفر میں قصر کا حکم دے دیا گیا تھا، لیکن جب راستے مامون ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں باقی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یہ خدا کا انعام ہے“۔

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے تھے، کلالہ کے مسئلہ کو جو نہایت دقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے، بار بار آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا، ”سورہ نساء کی آخری آیت تمہارے لئے کافی ہے“ (۴)۔

① کتاب البیان والنبیین ج ۱ ص ۱۱ ② مسند دارمی ص ۲۶ ③ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۔ بخاری کے

مختلف ابواب میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ ④ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵

نہایت غور و توجہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، ہر ایک آیت پر مجتہدانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے۔ ایک دن صحابہؓ کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے: **أَيُّوَذُ أَخَذَكُمْ أَنْ تَكُونُ لَكُمْ جَنَّةٌ**۔ لوگوں نے کہا واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل ہے۔ چونکہ جواب نا تمام تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی، لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجلائے۔ لیکن اس نے نافرمانی کی، تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے جائیں گے (۱)۔

قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے ان کے غلام ہیں۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقام مفتوحہ کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی۔ **وَمَا آفَاءَ اللَّهِ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرْبَىٰ**۔

بالآخر سب نے اس کی تائید کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کی مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے۔ درحقیقت انہوں نے اپنے عہد خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا ہے اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں نہایت محتاط تھے جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں نکالتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کثرت روایت سے روکتے تھے۔ علامہ ذہبی حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں (۲):

وقد كان عمر من دجله	اور حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت
يخطئ الصاحب علي رسول	ﷺ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں
الله صلى الله عليه وسلم يامرهم	ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے کم
ان يقلوا الرواية من نبهم.	روایت کریں۔

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے۔ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا، لیکن

حضرت عمرؓ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا اور جب تک روایت و درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا، قبول نہ کرتے۔ اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ کا ہی ساختہ پر داختہ ہے۔ ان سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ استنباط احکام اور تفریع مسائل کے لئے بھی انہوں نے ایک شاہراہ قائم کر دی تھی۔ مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لئے اجماع صحابہ جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا پھر نہیں ہوا۔

اخلاق و عادات

حضرت سرور کائنات ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لانم مکارم الاخلاق۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہ راست اس سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا اس لئے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا، لیکن حضرت عمرؓ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں جو تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے ان کو زیادہ حصہ ملا۔ وہ محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے، ان کے آئینہ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب حفظ لسان حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ اوصاف آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں رہتا تھا وہ بھی کم و بیش متاثر ہو کر اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری و تقویٰ سیکھیں۔ عہد فاروقی کے افسروں اور عہدیداروں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

خوفِ خدا

اخلاقی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ خشیت الہی اور خداوند جل و علی جبروت و عظمت کا غیر متزلزل تيقن ہے۔ جو دل خشوع و خضوع اور خوفِ خداوندی سے خالی ہے اس کی حقیقت ایک مضغہ گوشت سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمرؓ خشوع و خضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، صبح ہونے کے قریب گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے، و امر اہلک بالصلوة (۱)۔ نماز میں عموماً ایسی صورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت جلال کا بیان ہوتا اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ حضرت عبد اللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ کچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْ بَشِيْ وَ حَزْنِيْ پڑھ کر اس زور

① مؤطا امام مالک باب ماجاء فی صلوة اللیل

سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا (۱)۔

حضرت امام حسن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے جب اس پر پہنچے:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهُ

تیرے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا

مِنْ دَافِعٍ

ہے اس کو کئی دفع کرنے والا نہیں۔

تو بہت متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر واذا

الْقَوَا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِقًا مَقْرَبِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا۔ اس قدر خضوع طاری ہوا کہ اگر کوئی ان کے

حال سے ناواقف شخص دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائے گی۔

رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورہ یوسف شروع کی اور

جب اس آیت پر پہنچے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ۔ تو زار و قطار رونے لگے، یہاں

تک کہ قرآن مجید ختم کر کے رکوع پر مجبور ہو گئے (۲)۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں

ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ ”تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ اسلام لائے،

ہجرت کی، جہاد اور نیک اعمال کئے، اس کے بدلے میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب

برابر ہو جائے۔“ بولے خدا ”کی قسم نہیں، ہم نے آپ کے بعد بھی روزے رکھے، نمازیں

پڑھیں، بہت سے نیک کام کئے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے ہم کو ان اعمال

سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں“ (۳)

ایک بار راہ میں پڑا ایک تنکا اٹھالیا اور کہا ”کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش! کاش

میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی“ (۴)۔

غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوفِ خداوندی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ آپ فرماتے کہ اگر

آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف زائل

نہ ہوگا کہ شاید وہ بد قسمت انسان میں ہی ہوں (۵)۔

حب رسول اور اتباع سنت

تہذیبِ نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کے لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل

میں مبداءِ خلقِ عظیم یعنی رسول اکرم ﷺ کی خالص محبت اور اتباعِ سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے جو دل

① بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا کئی الامام فی الصلوٰۃ ② کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۷

③ بخاری باب ایام الجاہلیۃ ④ کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۵ ⑤ ایضاً

رسول اللہ ﷺ کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کا جادہ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کو نین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور ﷺ تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد ہوا، عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، اب حضور ﷺ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپ جمالِ نبوت کے سچے شیدائی تھے، ان کو اس راہ میں جان و مال، اولاد اور عزیز واقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا، معرکہ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا۔ جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا ”خدا کی قسم! میں حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں“ (۱)۔

آنحضرت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ مسجد نبوی میں حالتِ وارفتگی میں قسمیں کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا اس کا سر توڑ دوں گا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب کبھی عہدِ مبارک یاد آ جاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ سفرِ شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجدِ اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ بجلی بندھ گئی (۲)۔

یہ فطری امر ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے۔ اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ایامِ خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام زید بن حارثہ کے فرزند اسامہ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے (۳)۔ اسی طرح جب فتحِ مدائن کے بعد مالِ غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عبداللہ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے، اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

① فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱

② فتوح الشام از وی فتح بیت المقدس

③ مستدرک ج ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ

ازواجِ مطہرات کے مرتبہ، ان کے احترام اور آرام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ ہزار مقرر کیں (۱)۔ ۶۳ھ میں جب امیر الحجج بن کر گئے تو ازواجِ مطہرات کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساریوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو ساریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ازواجِ مطہرات منزل پر حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے (۲)۔

حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زہین صفحہ اتباع سنت تھا، وہ خورد و نوش، لباس و وضع، نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ فقر وفاقہ سے بسر کی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے روم و ایران کی شہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر وفاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لئے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، جان پورا تم رسول اللہ ﷺ کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم! میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ اس کے بعد دیر تک رسول اللہ ﷺ کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بے تاب ہو کر رونے لگیں (۳)۔

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے۔ معمولی کھانے کے بعد دستر خوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے۔ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادہ مستقیم سے منحرف کر دے گا (۴)۔

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی الہی شان ہے حجرِ اسود کو بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

انسی اعلم انک حجر وانک
لا تضر ولا تنفع ولولا انی رایت
رسول اللہ یقبلک ما قبلتک
میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان
پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں رسول اللہ کو بوسہ
دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔

① کتاب الخراج ص ۲۴ ② ابن سعد تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ

③ کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۹ ④ ایضاً ص ۳۲۵

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں پر رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا اس لئے جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر آنحضرت ﷺ کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہ ہوئی (۱)۔

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی، حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گذرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباع سنت کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔

ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی طرف دیکھا اور کہا ”آنے کا یہ کیا وقت ہے؟“ انہوں نے کہا کہ بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی، وضو کر کے فوراً حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ ﷺ (جمعہ کو) غسل کا حکم دیا کرتے تھے (۲)۔“

زہد و قناعت

دُنیا طلبی اور حرص تمام بد اخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی، یہاں تک کہ خود ان کے ہم مرتبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد و قناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطابؓ پر فوقیت حاصل ہے، لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے کہ ”اس کو لے لو، پھر تمہیں اختیار ہے کہ اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہئے“ (۳)۔

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے اور وفود کو باریاب کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آتی تھی، مگر اقلیم زہد کے

① بخاری کتاب الحج ② بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یول الجمعہ

③ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستغفاف

شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا، امیر المؤمنین اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تغیر کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس تم دونوں امہات المؤمنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہ! تم رسول اللہ ﷺ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے۔ حفصہ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دہرا کر کے بچھا دیا تھا، اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ ﷺ رات بھر سوتے رہے۔ بلالؓ نے اذان دی تو آنکھ کھلی اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

يا حفصة ماذا صنعت ثبيت
المهاد حتى ذهب بي النوم
الى الصباح مالي وللدنيا
ومالي شغلت موني بين الفراش
حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کر دیا
کہ میں صبح تک سوتا رہا مجھے دنیاوی راحت
سے کیا تعلق ہے! اور فرش کی نرمی کی وجہ
سے تو نے مجھے غافل کر دیا (۱)۔

ایک دفعہ نرمی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لئے دیا اس نے اس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے (۲)۔

کپڑا عموماً گرمی میں بنواتے تھے اور پھٹ جاتا تو پیوند لگاتے چلے جاتے حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا، مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا (۳)۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے ان ہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہوئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اگر چہ گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آنا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ حفص بن ابی العاصؓ اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی قدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے، اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیاوی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا (۴)۔

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اپنی طرح زہد اور سادگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے، وقتاً فوقتاً اپنے عمال اور حکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ رومیوں اور عجمیوں کی طرز معاشرت نہ اختیار کریں۔ سفر شام میں جب انہوں نے افسروں کو اس وضع میں دیکھا کہ بدن پر حریر و دپپا کے حلے اور پر تکلف قبائیں ہیں اور وہ اپنی زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان پر پھینکے۔ اور فرمایا کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا، اس صورت سے ملنے آیا کہ لباس فاخرہ زیب تن کئے ہوئے تھے اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا، اس وضع کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اترا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔

احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کئے گئے، وہ وہاں سے کامیاب ہو کر ترک و احتشام کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کی زرق برق پوشاک دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ وہ لوگ امیر المؤمنین کو برہم دیکھ کر دربار سے اٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فردا فردا ہر ایک سے بغلگیر ہوئے۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں چند برس تک مسلمانوں کے مال سے ایک خر مہرہ نہیں لیا حالانکہ فقر و فاقہ سے حالت تباہ تھی۔ صحابہؓ نے ان کی عسرت اور تنگدستی کو دیکھ کر اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو لیکن شہنشاہ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے لوں گا اور جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی، کچھ نہ لوں گا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں اسی قدر ہے جس قدر یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے (۱)۔ میں اپنی ذات پر اس سے زیادہ نہیں صرف کر سکتا جس قدر خلافت سے پہلے اپنے مال میں سے صرف کرتا تھا، ایک دفعہ زینع بن زیاد حارثی نے کہا امیر المؤمنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے اس کے لحاظ سے آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہیں۔ حضرت عمرؓ نہایت خفا ہوئے اور فرمایا میں قوم کا امین ہوں، امانت میں خیانت کب جائز ہے (۲)۔ ایک دفعہ عتبہ بن فرقد شریک طعام تھے اور اباہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے فرو کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہؓ سے نہ ربا گیا، کہنے لگے امیر المؤمنین! اگر آپ اپنے کھانے پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس

سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا افسوس تم مجھے دنیاوی نیش و تمعم کی ترغیب دیتے ہو (۱)۔

اپنے وسیع کنبہ کے لئے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور تکلیف و عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ حج میں اسی درہم صرف ہو گئے تو اس کا افسوس ہوا اور اسے اسراف تصور کیا (۲)۔ کپڑے پھٹ جاتے تھے لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے اسی میں پیوند پر پیوند لگاتے جاتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے (۳)۔ انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتہ کے مونڈے پر تہہ بہ تہہ پیوند لگے ہوئے ہیں (۴)۔ غرض فاروق اعظمؓ نے زہد و قناعت کا جو نمونہ پیش کیا، دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت و شان کے تاج پر زہد و قناعت ہی کا طرہ زیب دیتا ہے۔

خلافت کے بارگراں نے حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط بنا دیا تھا کیونکہ اس وقت ان کی معمولی بے احتیاطی اور فرورگذاشت قوم کے لئے صد ہا خرابیوں کا باعث ہو سکتی تھی اور مشکوک طبائع ان کی ذرا سی لغزش سے طرح طرح کے افسانے اختراع کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے کہ اس میں جانبداری پائی جاتی تھی، عمال و حکام کے تحائف واپس کر دیتے اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آپ کی زوجہ عاتکہ بنت زیدؓ کے پاس ہدیہ ایک نفیس چادر بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں (۵)۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا، انہوں نے اس خیال سے کہ یہ یہاں کیوں پڑا ہے، اٹھا کر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کو دیدیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخ کر دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تم کو مدینہ میں آل عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا، تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام اُمت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو (۶)۔

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ امام کلثومؓ (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر روم کی حرم کے پاس تحفہ کے طوز پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں،

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۲۸ ② اسد الغابہ ج ۲ ص ۷۲ ③ کنز العمال ج ۲ ص ۳۳۷

④ موطا امام مالک باب ماجاء فی لیس الثياب ⑤ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ ⑥ ایضاً

اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جوہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا، لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کئے گئے تھے۔ چنانچہ جوہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔ اسی طرح ایک بازار میں ایک فرہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا ہے، ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور اب کچھ فرہ ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فرہ ہوا ہے اس لئے تم صرف اس المال کے مستحق ہو، اور بقیہ قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی (۱)۔

خلافت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے۔ بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے سے پیشتر تک کچھ دنوں زمانہ خلافت میں بھی یہ مشغلہ جاری تھا، ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا، روسیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے قرض طلب کیا۔ انہوں نے کہا، آپ امیر المؤمنین ہیں، بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں گا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر رہ جائے گا، اس لئے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو (۲)۔

ایک دفعہ بیمار ہوئے طبیبوں نے شہد تجویر کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن قلب متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا، چنانچہ اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی، جب لوگوں نے اجازت دے دی تو استعمال فرمایا (۳)۔ بحرین سے مال غنیمت میں مشک و عنبر آیا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لئے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جس کو عطریات کے وزن میں دستگاہ ہو، حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زیدؓ نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لوں گا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا اسے اپنے جسم پر لگاؤ گی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آجائے گا (۴)۔

ابوموسیٰ اشعریؓ نے عراق سے زیورات بھیجے، اس وقت آپ کی گود میں آپ کی سب سے محبوب یتیم بختی اسماء بنت زیدؓ کھیل رہی تھی۔ اس نے ایک انگوشی ہاتھ میں لے لی۔ حضرت عمرؓ نے

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۷ ② طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم اول ص ۱۹۹

③ ایضاً ص ۱۹۸ ④ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

باطائف الحیل اس سے لے کر زیورات میں ملاوی اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لے جاؤ۔ اسی طرح عبداللہ بن ارقم نے معرکہ جلولہ کے بعد زیورات بھیجے تو آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی حضرت عمرؓ اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا (۱)۔ ایک دفعہ حضرت حصہؓ یہ سن کر کہ مال غنیمت آیا ہوا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا امیر المؤمنین! اس میں میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے، میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا نور نظر تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے، افسوس کہ تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا۔ وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرور کائنات ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دیدی تھی۔ مگر خیال یہ تھا کہ شاید خلافت کے رعب نے انہیں مجبور کیا ہو، اس لئے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے، اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس طرح وفات کے بعد بھی فاروق اعظمؓ نے ورع و تقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا۔ رضی اللہ عنہ۔

تواضع

حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و داب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے تھے، مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لادیتے تھے، پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرشِ خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایامِ خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے۔ ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے اس لئے اپنے ساتھ بٹھالینے کی درخواست کی۔ اس کے لئے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا۔ فوراً اتر پڑا اور سواری کے لئے اپنا گدھا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم جس طرح سوار تھے سوار رہو میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا۔ غرض اسی حالت میں مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے، لوگ امیر المؤمنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے (۲)۔

آپ کو بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ و خرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ درخت کا سایہ شامیانہ اور فرشِ خاک بستر تھا۔ سفر شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المؤمنین کے

معمولی لباس اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ سواری کے لئے ترکی گھوڑا اور پہننے کے لئے قیمتی لباس پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین! یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا؟ بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے (۱)۔

تشدد و تزحم

حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں اور ایک حد تک وہ صحیح بھی ہیں، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف اور رحمدلی سے نا آشنا رکھا تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا غیض و غضب بھی خدا کے لئے تھا اور لطف و رحم بھی اسی کے لئے، جیسا کہ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا تھا:

واللہ لان قلبی فی اللہ حتی
لہو الدین من الزبد ولقد
اشة قلبی فی اللہ لہو اشد
من الحجر

واللہ! میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے
تو جھاگ سے بھی نرم ہو جاتا ہے، اور سخت
ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا
ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لئے تھا، ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

غزوہ بدر میں کافروں نے بنو ہاشم کو مسلمانوں سے لڑنے پر مجبور کیا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ عباسؓ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہؓ کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا، حضرت عمرؓ یہ گستاخی دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور کہا کہ اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں (۲)۔

حضرت حاتم بن ابی بلتعہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ یہ خود ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا قصد فرمایا تو حاطبؓ نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے اپنے بعض مشرک دوستوں کو اس کی اطلاع دیدی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو برابر فروخت ہو کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ اس کو قتل

کردوں (۱)۔

اسی طرح خویصرہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا ”محمد (ﷺ) عدل کر“۔ حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہوئے اور اس کو قتل کرنا چاہا، لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ نے منع کیا۔
غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم مزاج کی سختی کا اندازہ کر سکتے ہو تو دوسری طرح للہیت کا بھی اعراف کرنا پڑے گا۔

ایام خلافت میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں وہ اصولی سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی، حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس۔ مذہبی پابندی کے لئے تنبیہ و تعزیر، اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے، اس لئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ منصب خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا، ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا بلکہ وہ جس قدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے، ہمدردی کے موقعوں پر اس سے زیادہ لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے، خدا کی ذی عقل مخلوق میں غلاموں سے زیادہ قابل رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کرادیا (۲) اور یہ قانون بنا دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ کنز العمال میں بہ تصریح ان کا قول مذکور ہے کہ لا تسترق عرسی یعنی عربی غلام نہیں ہو سکتا۔ عام غلاموں کا آزاد کرانا بہت مشکل تھا تاہم ان کے حق میں بہت سی مراعات قائم کیں۔ مجاہدین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو آقا کے ساتھ اسی قدر ان کے غلام کی تنخواہ مقرر ہوئی (۳)۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے، ایک شخص نے دعوت کی تو محض اس وجہ سے برا فروختہ ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلام کو نہیں بٹھایا تھا، آپ اکثر حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا عار سمجھتے ہیں، خدا ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ غلاموں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز واقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے (۴)۔

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اس وقت حضرت عمرؓ کی بیقراری قابل دید تھی، دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا، گوشت، گھی اور دوسری مرغوب غذائیں ترک کر دیں۔ اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خرپڑہ دیکھ کر خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے اور تو تفکھات سے لطف اٹھاتا ہے۔ غرض جب تک قحط رہا، حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا (۵)۔

① بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح و مابعث بحاطب بن ابی بلتعہ ② یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۸

③ فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمر بن الخطاب ④ کنز العمال ج ۲ ص ۲۶ ⑤ ایضاً ج ۶ قطائع الرادہ ص ۳۳۳

عراق عجم کے معرکہ میں نعمان بن مقرن اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ پر ان کی شہادت کا اتنا اثر تھا کہ زار و قطار روتے تھے۔ مالِ غنیمت آیا تو غصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہداء کے ورثا میں تقسیم کر دیا جائے۔

تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ لنگر خانے، مسافر خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے۔ غرباء مساکین اور مجبور و لاچار آدمیوں کے روزیے مقرر کر دیئے تھے۔ کیا یہ تمام امور لطف و ترحم کے دائرہ سے باہر ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف کا سلوک کیا آج مسلمان، مسلمان سے نہیں کرتے۔ زندگی کے آخری لمحے تک ذمیوں کا خیال رہا۔ وفات کے وقت وصیت میں ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا (۱)۔

عفو

اس لطف و ترحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو اور درگزر سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حرب بن قیس اور عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے۔ عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے۔ حرب بن قیس نے کہا امیر المؤمنین! قرآن مجید میں آیا ہے: خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاهلین۔ یہ شخص جاہل ہے اسکی بات کا خیال نہ کیجئے، اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا (۲)۔

رفاہ عام

حضرت عمرؓ نے فریضہ خلافت کی حیثیت سے رفاہ عام اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے جو کام کئے اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لئے وقف تھا، ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لادیتے۔ مقام جنگ سے قاصداً آتا تو اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے۔ راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ عورت نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے اور آنا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا،

① بخاری کتاب المناقب باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان ② کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴

ہاں قیامت میں تم میرا نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لے کر عورت کے پاس گئے۔ اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ حضرت عمرؓ نے خود چولہا پھونکا۔ کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے (۱)۔

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے، چلو ہم دونوں چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے (۲)۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دروزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم کو ساتھ لیکر بدو کے خیمہ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے پکار کر کہا اے امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ بدو امیر المؤمنین کا لفظ سن کر چونک پڑا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا، بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا (۳)۔

حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں سے بھی مجبور، یکس اور اپنا ہیج آدمیوں کی خدمت گذاری کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمت گزاری کے ممنون تھے۔ خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصبح امیر المؤمنین کو ایک جھونپڑے میں جاتے دیکھا۔ خیال ہوا کہ فاروق اعظمؓ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیف رہتی ہے اور وہ روز اس کی خبر گیری کے لئے جایا کرتے ہیں۔

خدا کی راہ میں دینا

حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولت مند نہ تھے، تاہم انہوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا۔ سنہ ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے ضروریات جنگ کے لئے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے مال و اسباب میں سے آدھالے کر پیش کیا (۴)۔

یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین سیر حاصل قطعہ اراضی ملا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائداد نہیں ہے، آپ کا کیا

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۲ ② طبری ص ۲۷۳

③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۳ ④ ترمذی فضائل عمرؓ

ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وقف کر دو۔ چنانچہ حسب ارشاد نبوی فقراء اعزہ، مسافر، غلام اور جہاد کے لئے وقف کر دیا (۱)۔

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دست سوال دراز کیا۔ حضرت عمرؓ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دے دیا۔

مساوات کا خیال

عہد فاروقی میں شاہ و گدا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک حال میں نظر آتے تھے، عمال کو تائیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز و نمود اختیار نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات اپنا خاص شعار بنایا تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی، تعظیم و تکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا، میں آپ پر قربان، فرمایا ایسا نہ کہو، اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا۔ اسی طرح زید بن ثابتؓ قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی نا انصافی کی۔“ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے (۲)۔

آپ کا مقولہ تھا کہ میں اگر عیش و تنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ منصبیت و افلاس میں رہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ سفر شام میں نفیس و لذیذ کھانے پیش کئے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ ایوانِ نعمت میسر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لئے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا، تو پھر مجھے بھی اس کی حاجت نہیں۔

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا لیکن مساوات کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کے سفراء آتے تھے تو انہیں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے، درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود نمونہ بن کر مسلمانوں کو مساوات کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم و محکوم، اور آقا و غلام کے سارے امتیازات اٹھ گئے تھے۔

غیرت

حضرت عمرؓ بطبع غیر واقع ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ان کی غیرت کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ صحیح مسلم، ترمذی اور صحاح کی تقریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ایک عالیشان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا جو فاروق اعظمؓ کے لئے مخصوص تھا اس کے اندر صرف اس وجہ سے تشریف نہیں لے گئے کہ آپ ﷺ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر فرمایا تو وہ رو کر کہنے لگے بسا اے انت

① ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ② کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴

امی علیک اغا۔ یعنی میرے ماں باپ فدا ہوں کیا میں حضور ﷺ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا (۱)۔

آیتِ حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا یہاں تک کہ خود ازواجِ مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی، بار بار رسول اللہ ﷺ سے ملتجی ہوئے کہ آپ ازواجِ مطہرات کو پردہ کا حکم دیں اس خواہش کے بعد ہی آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں جاموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔

خانگی زندگی

حضرت عمرؓ کو اولاد و ازواج سے محبت تھی، مگر اس قدر نہیں کہ خالق و مخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو، اہل خاندان سے بھی بہت زیادہ شغف نہ تھا، البتہ زیدؓ سے جو حقیقی بھائی تھے، نہایت الفت رکھتے تھے جب وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو نہایت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے (۲)۔ زید نے اسماء نامی ایک لڑکی چھوڑی تھی اس کو بہت پیار کرتے تھے۔

مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر عوالی میں رہتے تھے لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ میں مسجد نبوی کے متصل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کر دی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے، اس لئے یہ مکان فروخت کر دیا گیا اور عرصہ دراز تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔

حصولِ معاش کا اعلیٰ ذریعہ تجارت تھا، مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی لیکن خلافت کے بار گراں نے انہیں ذاتی مشاغل سے روک دیا تو ان کی عسرت کو دیکھ کر صحابہ نے اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ سنہ ۱۵ھ میں لوگوں کے وظیفے مقرر مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے لئے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا (۳)۔

غذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغن زیتون پر گزارہ تھا کبھی کبھی گوشت، دودھ،

① بخاری مناقب عمرؓ ② مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ زید بن خطاب

③ یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ تمام بدری صحابیوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا۔ دیکھو فتح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمر بن الخطاب۔

ترکاری اور سر کہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا، لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ بیشتر صرف قمیص پہنتے تھے، اکثر عمامہ باندھتے تھے، جوئی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، سرچندلا، رخسار کم گوشت، داڑھی گھنی اور موچھیں بڑی بڑی، قد نہایت طویل، یہاں تک کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند نظر آئیں۔

امیر المؤمنین عثمان بن عفان ذوالنورین

نام و نسب، خاندان

عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمر کنیت، ذوالنورین لقب۔ والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا۔ والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ اروی بنت کریم بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اسی طرح حضرت عثمان کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی نانی بیضا ام الحکیم حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لئے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات ﷺ کے قریشی رشتہ دار ہیں (۱)۔ آپ کو ذوالنورین (دونوروں والا) اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمان کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔ خلفائے بنو امیہ اسی امیہ بن عبد شمس کی طرف سے منسوب ہو کر ”امویین“ کے نام سے مشہور ہیں، عقاب یعنی قریش کا قوی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا۔ جنگِ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور، اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اموی تھا، اسی طرح ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوہ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کیا تھا اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے۔ غرض حضرت عثمان کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے سوا دوسرا خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے، بچپن اور سن رشد کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت، دیانت اور راستبازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

قبولِ اسلام

حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی۔ گو ملکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لئے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا۔ ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابو بکرؓ صدیق کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا ”عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہوں“، حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ و صاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا (۱)۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا جو بنو ہاشم کا حریف تھا اور رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو اس لئے خوف و حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دست اقتدار میں چلی جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابو سفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گرد و غبار سے پاک تھا۔ اس لئے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کی صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی۔ انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لہیک کہا۔ جبکہ صرف

پینتیس یا چھتیس زن و مرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

شادی

قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتاب منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے، یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا۔ آپ کی منجھلی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتیہ سے ہوا تھا۔ مگر اسلام کے بعد عتیہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت ﷺ سے اتنی عداوت ہو گئی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوا دی۔ آنحضرت ﷺ نے صاحبزادی ممدوحہ کا دوسرا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی اس شادی کے متعلق بعض لغو اور بے ہودہ روایتیں کتابوں میں ہیں، مگر وہ تمام تر جھوٹی اور جعلی ہیں اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے۔

حبشہ کی ہجرت

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کا نشانہ تھے، ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا۔ اعزہ و اقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی اور بالآخر خود آنحضرت کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا اس لئے پریشان خاطر تھے۔ ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

ان عثمان اول من ہاجر

یعنی اس میری امت میں عثمان پہلا شخص

باہلہ من ہذہ الامۃ (۱)

ہے جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلا وطن ہوا

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض اور صحابہؓ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آ گئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ اس بنا پر بعض صحابہؓ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

مدینہ کی طرف

اسی اثناء میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایماء فرمایا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور آپ نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کر دی (۱)۔

اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سو گوار رہے اور ان کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا۔

پیر رومہ کی خریداری

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی تمام شہر میں صرف پیر رومہ ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لئے اس کنویں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا، سیع بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لئے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لئے کافی ہوتا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس طرح اسلام میں حضرت عثمانؓ کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا، جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔

فجزاه اللہ خیر الجزاء

غزوات اور دیگر حالات

ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف و حراساں ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ ۴ھ سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا۔ حضرت عثمانؓ اگرچہ فطرتاً سپاہیانہ کاموں کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے، تاہم وہ اپنے محبوب ہادیِ طریقت ﷺ کے لئے جانثاری و فداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوہ بدر اور حضرت رقیہ کی علالت

کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، حضرت عثمانؓ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے مجبور رہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ ﷺ کی نورِ نظر حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئی تھیں، اس لئے حضور پر نور ﷺ نے ان کو مدینہ میں تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا اور فرمایا تم کو شرکت کا اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا (۱)۔ اور خود تین سو تیرہ ۳۱۳ قذوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیامِ موت تھا، نمگسار شوہر کی جانفشانی و تندہی سب کچھ کر سکتی تھی لیکن قضائے الہی کو کیونکر رد کرتی۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اس ملکہِ جنت کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ نعرہٗ تکبیر کی صدا آئی۔ دیکھا تو حضرت زید بن حارثہؓ سرورِ کائنات ﷺ کے ناقہ پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آ رہے ہیں، محبوب بیوی اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی نورِ نظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد حضرت عثمانؓ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے۔ کچھ اسلام کی پہلی امتحان گاہ (بدر) سے محرومی کا بھی افسوس تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو

گیا، اب اس قدر رنج و غم سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمانؓ نے کہا افسوس! میں جس قدر اپنی محرومی قسمت پر ماتم کروں کم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی۔ افسوس کہ میرا رشتہ خاندان رسالت سے ٹوٹ گیا (۱)۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی دلدہی فرمائی اور چونکہ ان کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا تھا جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بھی مجاہد قرار دیا اور بدر کے مالِ غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ ان کو عنایت فرمایا اور بشارت دی کہ وہ اجر و ثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے، اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور انور ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم سے ان کا نکاح کر دیا اور خاندان رسالت ﷺ سے دوبارہ ان کا تعلق قائم ہو گیا۔

غزوہ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے سب میں حضرت عثمانؓ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ رہے اور ہر موقع پر اپنی اصابت رائے اور جوش و ثبات کے باعث آپ ﷺ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

غزوہ احد

شوال سنہ ۳ھ میں جب غزوہ احد پیش آیا تو پہلے غازیانِ دین نے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا۔ لیکن وہ مسلمان تیر انداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے، اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا، مسلمان اس سے غافل تھے اس لئے اس ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے۔ اسی اثناء میں مشہور ہو گیا کہ رسول خدا ﷺ نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے۔ سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگِ احد میں صحابہؓ کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقی سانحہ تھا جو مسلمان تیر اندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پشیمان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی، اس لئے خدائے پاک نے وحی کے ذریعہ عفو عام کی بشارت دے دی۔

اور تم سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے
موقع پر پشت دکھادی، حقیقت میں
شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلہ

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ
التَّقْيِ الْجَمْعَانِ إِنَّمَا
أَسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ

مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ
 انَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

میں پھسلا دیا، اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور
 بے شک خدا بڑا حلم والا اور آمرزگار ہے۔

دیگر غزوات

غزوہ احد کے بعد سنہ ۳ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا، آنحضرت ﷺ جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا (۱)۔ پھر بنو نضیر کی جلاوطنی عمل میں آئی۔ اس کے بعد سنہ ۵ھ میں غزوہ خندق کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت عثمانؓ ان تمام مہمات میں شریک تھے۔ سنہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادہ پر خاش ہیں، چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا، اس لئے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمت

یہ مکہ پہنچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی دن گزر گئے اور حضرت عثمانؓ کا کچھ حال نہیں معلوم ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا۔ اسی حالت میں افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے لئے صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سوتھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت لی۔ یہ حضرت عثمانؓ کے تاج فخر کا وہ طرہ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا، کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعت رضوان نہیں کی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمانؓ اس وقت موجود نہ تھے مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں (۲)۔ لیکن درحقیقت یہ بیعت تو حضرت عثمانؓ ہی کے خون کے انتقام کے لئے منعقد ہوئی تھی، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے۔ آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ اس سال بغیر عمرہ کئے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔

① طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۹

② سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶۔ آنحضرت ﷺ کے اس اعزاز عطا فرمانے کا ذکر بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ میں بھی ہے اور واقعات کی تفصیلات بخاری کتاب الشروط والمصالحة مع اہل حرب میں ہے۔

۷۷ھ میں معرکہ خیبر پیش آیا۔ پھر سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔
غزوہ تبوک اور تجھیز جیش عسره

۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس کا تدارک ضروری تھا، لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کو سخت تشویش ہوئی اور صحابہ کو جنگی سامان کے لئے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عثمانؓ ایک ممول تاجر تھے۔ اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لئے انہوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لے لئے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے۔ اس بنا پر گویا حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لئے سامان مہیا کیا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لئے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپے سے خریدا گیا تھا، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لئے ایک ہزار دینار پیش کئے۔ حضور انور ﷺ اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرافیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے:

ماضر عثمان ما عمل بعد
آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اس کو نقصان
نہیں پہنچائے گا (۱)۔
هذا اليوم

۱۰ھ میں سید البشر ﷺ نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، حضرت عثمانؓ بھی ہمراہ تھے۔ حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰ھ کی ابتداء میں سرور کائنات ﷺ بیمار ہوئے اور بارہویں ربیع الاول دوشنبہ کے دن رہگزمین عالم جاوداں ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ خلافت صدیقی میں حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے ایک معتمد رکن تھے۔ سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابوبکرؓ پر غشی طاری ہوگئی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی عقل و فراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا؟ انہوں نے سنا شروع کیا اور

① مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ اور ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ

جب حضرت عمرؓ کا نام لیا تو حضرت ابو بکرؓ صدیق بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے، اور حضرت عثمانؓ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی (۱)۔

تقریباً دس برس خلافت کے بعد ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدہٴ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام قریش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد و وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اور تائکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہئے (۲)۔

فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے، لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہئے۔ اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے، حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ رضیٰ کی نسبت رائے دی۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نام لیا۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لئے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور سنتِ شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ اس کے بعد علیحدہ علیحدہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ اس پر ان دونوں کی رضامندی لینے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور تمام صحابہ کرام مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک مختصر لیکن مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ غرض چوتھی محرم ۲۴ھ دوشنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاقِ عام کے ساتھ مسندِ نشینِ خلافت ہوئے اور دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

① ابن سعد جزو ۳ قسم اول، تذکرہ ابو بکرؓ ② ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، نیز ملکی نظم و نسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لئے حضرت عثمانؓ کے لئے میدان صاف تھا۔ انہوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریق نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا (۱)۔ یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

۲۴ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے۔ یعنی آذر بایجان اور آرمینیا پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا، اسی طرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لئے شام روانہ کیا۔

عہدِ فاروقی میں مصر کے والی عمرو بن العاصؓ تھے اور تھوڑا سا علاقہ جو سعید کے نام سے مشہور ہے عبد اللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا، مصر کے خراج کی جو رقم دربارِ خلافت کو بھیجی جاتی تھی، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق شکایت چلی آتی تھی اس لئے حضرت عثمانؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے عبد اللہ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا۔ مصریوں پر عمرو بن العاصؓ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اس لئے ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر پر دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا۔ ۲۵ھ میں ان کی شہ پا کر اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے عمرو بن العاصؓ ہی کو متعین کیا۔ انہوں نے حسن تدبیر سے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ

نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاص کے پاس رہے اور مال و خراج کے صیغے عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاص نے اُسے منظور نہ کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے باغیوں کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا تھا۔ حضرت عثمان نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے، ان کو آزاد کرادیا (۱)۔ اس کے بعد دو برس تک عمرو بن العاص مصر کے مال و خراج کے افسر رہے۔ اسی سال عبداللہ بن ابی سرح نے دربار خلافت کے حکم سے طرابلس (ٹریپولی) کی مہم کا انتظام کیا۔ نیز امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب کے دوروی قلعے فتح کر لئے۔

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی معزولی ہے، اس کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک لمبی رقم قرض لی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود بہت تم بیت المال نے تقاضا کیا تو سعد نے ناداری کا عذر کیا اور یہ قضیہ دربار خلافت تک پہنچا۔ بیت المال میں اس قسم کا تصرف دیانت کے خلاف تھا، اس لئے حضرت عثمان، حضرت سعد بن وقاص پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو والی کو فہ مقرر کیا۔ عبداللہ بن مسعود پر بھی خفگی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی، اس لئے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا۔

۲۷ھ میں مصر کی دو عملی میں اختلاف شروع ہوا اور عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن العاص نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے افسر تھے دربار خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاص کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا مالک بنا دیا (۲)۔ عمرو بن العاص اس فیصلہ سے نہایت کبیدہ ہوئے اور مدینہ چلے گئے۔ عمرو بن العاص کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا، عبداللہ بن ابی سرح نے کوشش کر کے چالیس لاکھ کر دیا۔ حضرت عثمان نے فخر یہ عمرو بن العاص سے کہا دیکھو! آخر اونٹنی نے دودھ دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

فتح طرابلس

مہم طرابلس کا ہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ میں ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر افسر عام تھے۔ حضرت عثمان نے دارالخلافت سے بھی ایک لشکر جرار مکہ کے لئے روانہ کیا جن میں عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اسلامی فوجیں مدت تک طرابلس کے میدان میں معرکہ آراء رہیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت، جاں بازی اور ثبات و استقلال کے آگے اہل طرابلس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عبداللہ بن ابی سرح نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ممالک میں پھیلا دیئے۔ طرابلس کے امراء نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آ کر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی (۱)۔

فتح افریقیہ

افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے، یہ ممالک ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی ممالک محروسہ میں شامل ہوئے۔

اسپین پر حملہ

افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا۔ چنانچہ ۲۷ھ میں حضرت عثمان نے اسلام فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو اس مہم کے لئے نامزد کیا۔ جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس افریقیہ کے حاکم مقرر کئے گئے۔

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام

حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا۔ اس لئے عبداللہ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لے لیا لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمان کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حضرت عثمان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ میں نے بیشک وعدہ کیا تھا، لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے (۲)، اس لئے مجبوری ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ افریقیہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا تھا، ابن اثیر نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقیہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مالِ غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے افریقیہ

کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔

فتح قبرص

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں۔ بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی۔ مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لئے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوف ناک سمجھا جاتا ہے، اس قدر خوف ناک نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس اجازت کے بعد عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑہ قبرص پر حملہ کے لئے روانہ ہوا اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی:

① اہل قبرص (۷۰۰۰) سات ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

② مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

③ بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی ان کو اطلاع

دیا کریں گے (۱)۔

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے۔ لیکن ۳۳ھ میں انہوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کو مدد دی، اس لئے امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا (۲) اور منادی کرادی کے آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔

والی بصرہ کی معزولی

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے، حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہنچیں، مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو آزادی کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا۔ اسی اثناء میں کردوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کیا اور راہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے۔ چنانچہ صبح کے وقت دارالامارۃ کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اس شان سے نکلے کہ ایک ترکی نسل کے گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر ان کا اسباب و سامان تھا۔ لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑ لی اور کہا ”قول و فعل میں اختلاف کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟“ حضرت ابو موسیٰ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لے کر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ میں ان کو معزول کر دیا اور عبد اللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا (۱)۔

فتح طبرستان

۳۰ھ میں عبد اللہ بن عامر بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاصؓ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رخ کیا۔ سعید بن عاصؓ کے ساتھ امام حسنؓ، امام حسینؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ جیسے اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیش قدمی کر کے عبد اللہ بن عامرؓ کے پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا (۲)۔ اسی اثناء میں ولید بن عقبہ والی کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا۔ یہ الزام ایسا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو انہیں معزول کرنا پڑا اور ان کی جگہ سعید بن عاصؓ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

عبد اللہ بن عامرؓ نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات، کابل اور بھجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ بست، اشندورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

عبد اللہ بن عامرؓ نے نیشاپور کے بعد عبد اللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود

ماوراء النہر کی طرف بڑھے۔ سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ عبداللہ بن عامر نے صلح کر لی اور قیس بن الہیشم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب و سامان کے ساتھ دار الخلافہ کا رخ کیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ

۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے سواحل شام پر حملہ کے لئے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لئے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، بے شمار رومی مارے گئے، مسلمان بھی بہت شہید ہوئی لیکن ان کے استقلال و شجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی، خود قسطنطنیہ اس معرکہ میں زخمی ہو اور اسلامی بیڑہ مظفر و منصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا (۱)۔

متفرق فتوحات

قبرص، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں، ۳۱ھ میں خبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیا کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا (۲)۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے ۳۲ھ میں عبداللہ بن عامر نے مرورود، طالقان، فاریاب، اور جوزجان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارض روم میں حصن المرآة پر حملہ کیا۔ اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی۔ عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔ اسی طرح ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقص امن کیا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے انہیں قابو میں کیا۔

انقلاب کی کوشش اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دو اوزدہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و امان سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے تمام ملک میں تمول، فارغ البالی اور عیش و تنعم کو عام کر دیا، یہاں تک کہ بعض متکشف صحابہؓ ایام نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کر کے اس زمانہ کی ثروت اور سامانِ تعیش کو دیکھ کر حد درجہ غمگین تھے کہ اب مسلمانوں کے اس دنیاوی رشک و حسد کا وقت آ گیا جس کی آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا، اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ جمع کرنا ایک مسلمان کے لئے ناجائز ہے۔ شام کا ملک جس کے حاکم امیر معاویہؓ تھے اور جو صدیوں تک رومی تعیش و تکلفات کا گہوارہ رہ چکا تھا وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ بر ملا ان امراء اور دولت مندوں کے خلاف وعظ کہتے تھے جس سے نظام حکومت میں خلل پڑتا تھا، اسلئے امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلوایا۔ مگر اب مدینہ بھی وہ انکلا مدینہ نہ رہا تھا، بیرونی لوگوں کے بڑے بڑے محل تیار ہو چکے تھے۔ اسلئے حضرت ابوذرؓ نے یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ربذہ نام کے ایک گاؤں میں اقامت اختیار کیا۔

حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ و فساد برپا ہوا اس کی حقیقت یہی ہے کہ دولت مندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کر دیئے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا۔ مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دولت دنیاوی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے، جس سے بغض و عناد پیدا

ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے۔

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی وہ نسل جو فیضِ نبوت سے براہِ راست مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد و اتقا، عدل و انصاف حق پسندی و راستبازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔ اس بناء پر رعایا کے لئے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے۔

(۲) حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت و خلافت کے لئے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے، نوجوان قریشی اس کو اپنا حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے۔ عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے، اس لئے وظائف، منصب اور عہدوں میں قریش اور ہم میں مساوات چاہئے۔

(۳) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک اسلام کے زیر نگیں تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں، ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا، لیکن ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لئے انہوں نے سازشوں کا جال بچھایا جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے۔

(۴) حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک ذی مروت اور نرم خو تھے، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، اکثر جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

(۵) حضرت عثمانؓ اموی تھے، اس لئے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے اور اپنے ذاتی مال سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے، شریروں نے اس کو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے ان کے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں۔

(۶) ہر امام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں، اسلام کی دوسری نسل میں جو اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اول الذکر میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام و استحکام کے لئے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

(۷) مختلف، محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لئے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

(۸) غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔

ان مختلف الحیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ و انقلاب کے حقیقی اسباب یہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ مثلاً

(۱) بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے۔

(۲) عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے، اس لئے وہ قریشی افسروں کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(۳) مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔

(۴) یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کے لئے کوشش میں مصروف تھی، اس لئے خفیہ ریشہ دو انیاں شروع ہو گئیں۔ عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور خود امیر المؤمنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دباننا چاہا لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی کہ جس کا بجھانا آسان نہ تھا، فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کا مقصد فتنہ و فساد تھا۔ کوفہ کی انقلاب پسند جماعتوں میں اشتر نخعی، ابن ذمی الحبکہ، جندب، صعصعہ، ابن الکوار، کمیل اور عمیر بن ضابطی خاص طور پر قابل ذکر ہیں (۱)۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ امارت و ریاست قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں نے ممالک فتح کئے ہیں، اس لئے وہ سب اس کے مستحق ہیں۔ سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی، ان کو بدنام کرنے کے لئے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لئے طرح طرح کے وسائل کام

میں لائے جاتے ہیں۔ اشرافِ کوفہ نے ان مفسدہ پرداز یوں سے تنگ آ کر امیر المؤمنین سے التجا کی کہ خدا کے لئے جلد ان فتنہ جو اشخاص سے کوفہ کو نجات دلائیے۔ حضرت عثمانؓ نے تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے، شام کی طرف جلا وطن کر دیا (۱)۔

اسی طرح بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عثمانؓ نے یہاں سے بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کر دیا۔ لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ یہ معمولی چھینٹے اس کو بجھانہ سکے بلکہ یہ انتقالِ مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کا سبب بن گئے اور پہلے جو آگ ایک جگہ سلگ رہی تھی وہ سارے ملک میں پھیل گئی۔

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے، چنانچہ ایک یہودی النسل نو مسلم عبد اللہ بن سبائے نے اپنی حیرت انگیز سازشاً قوت سے مختلف خیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا اور اس کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے اس نے مذہب میں عجیب و غریب مقائد اختراع کئے اور خفیہ طور پر ہر ملک میں اس کی اشاعت کی۔ موجودہ شیعہ فرقہ دراصل انہی عقائد پر قائم ہوا۔

مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور ان میں سے ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی، اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے۔ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرف دار تھے، اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے۔ اہل عراق کی جماعت تمام قریش سے عداوت رکھتی تھی اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کے خلاف تھی لیکن امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے۔ عبد اللہ بن سبائے نے حکمتِ عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کر کے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر متحد کر دیا اور تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیئے تاکہ ہر جگہ فتنہ کی آگ بھڑکا کر بد امنی پیدا کر دی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے داعیوں کو حسب ذیل طریقوں پر عمل کی ہدایت کی۔

(۱) بظاہر متقی و پرہیزگار بننا اور لوگوں کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا۔

(۲) عمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

(۳) ہر جگہ امیر المؤمنین کی کتبہ پروری اور نا انصافی کی داستان مشتہر کرنا۔

ان طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خوری کا

الزام قائم کیا گیا اور حد بھی جاری کی گئی جو درحقیقت ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا، اسی طرح حضرت

ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی جس کا ذکر آئندہ آئے گا ان ہی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔
 ۳۳ھ میں جبکہ قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی
 سواحل پر حملہ کیا اور مسلمان بڑے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنی
 فتنہ انگیزی سے باز نہیں آئے اور محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مفسدین کے دام تزویر
 میں پھنس چکے تھے، اسلامی بیڑے کے امیر البحر عبد اللہ بن ابی سرحؓ کو ہر طرح دق کیا۔ نماز میں
 بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے۔ عبد اللہ بن سعد کی اعلانیہ مذمت کرتے اور مجاہدین
 سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے جاتے ہو، حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین
 کی ضرورت ہے۔ لوگ تعجب سے کہتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے؟ تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام
 لیتے اور کہتے کہ اس ظالم کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، اس نے سنتِ ستخین کو
 چھوڑ دیا ہے۔ کبار صحابہ کو معزول کر کے اپنے اعزہ و اقارب کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔

غرض ہر طرح کی فریب کاریوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسلامی بیڑا
 رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر
 بیڑے کا تعاقب کیا اور جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لے کر کے اپنے خیالات
 کی اشاعت کرتے۔ مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دے کر مظفر و منصور واپس آئے تو چند نے محمد
 بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہؓ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس
 جہاد میں کسی طرح حصہ لے سکتے ہیں جس میں انتظام عثمانؓ کے ایما سے ہوا ہو؟ اور جس کا امیر
 عبد اللہ بن سعد ہو۔ اس کے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیوں کی طویل
 داستان شروع کر دی (۱)۔ عبد اللہ بن سعد نے جب دیکھا کہ یہ دونوں کسی طرح اپنی حرکتوں سے
 باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اپنا اثر کر رہے ہیں تو نہایت سختی سے انکو منع کیا
 اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر امیر المؤمنین کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اس مفسدہ پرداز کی کا مزرہ چکھا دیتا۔

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا، کبار صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے اس لئے اعلانیہ اس
 جماعت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمانؓ شہید ہوئے
 مفسدین مدینہ اس قدر بے باک ہو گئے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے ان کو خود امیر المؤمنین پر بھی
 دستِ ستم دراز کرنے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے
 رہے تھے، ابھی حمد و ثنا ہی شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”عثمان! کتاب اللہ کو اپنا
 طرز عمل بنا“۔ لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر نے نرمی سے کہا، ”بیٹھ جاؤ“ دوسری مرتبہ کھڑے ہو کر پھر

اس نے اسی جملہ کا اعادہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا۔ تین دفعہ اسے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی۔ حضرت عثمانؓ نے ہر بار نرمی سے بیٹھنے کو فرمایا۔ لیکن اس کی سازش پہلے سے ہو چکی تھی۔ ہر طرف سے مفسدین نے نرغہ کر لیا اور اس قدر سنگریزے اور پتھروں کی بارش کی کہ نایب رسول زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرشِ خاک پر گر پڑا، مگر صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبہٴ عنیض و غضب کو ہیجان نہ ہوا (۱)۔

غرض مختلف عناصر نے مل کر افترا پرداز یوں اور کذب بیانیوں سے اس طرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی اور آپ کی مخالفت کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اتنی طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے، ان غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو قلمبند کر کے اصل واقعات کو بے نقاب کر دیا جائے۔ اس وقت تک حضرت عثمانؓ پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کبار صحابہ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن العاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمن بن ارقم کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

(۲) بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا۔ مثلاً حکم بن العاصؓ کو جسے رسول اللہ ﷺ نے طائف میں جلا وطن کر دیا تھا مدینہ آنے کی اجازت دی اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ اور اس کے لڑکے حارث کو اس کی اجازت دی کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لئے عشر وصول کرے۔ مروان کو افریقہ کے مالِ غنیمت کا خمس دیا گیا۔ اسی طرح عبداللہ ابن خالدؓ کو تین لاکھ درہم کا گرانقدر عطیہ مرحمت کیا اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی جواہرات عنایت فرمائے، حالانکہ فاروق اعظمؓ نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے احتراز کیا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے لئے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا۔ بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقم اور معیقیب نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو ان کو معزول کر کے زید بن ثابتؓ کو یہ عہدہ تفویض کر دیا۔ ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے بے وجہ زید بن ثابتؓ کو یہ گراں قدر رقم لینے کی اجازت دے دی۔

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ اور ابیؓ کے روزینے بند کر دیئے۔

(۴) مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس سے مستفید ہونے سے روک دیا۔

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لئے مخصوص کر لی اور حکم دیا کہ کھجور کی گٹھلیاں امیر المؤمنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں نہایت وسیع قطععات زمین مرحمت فرمائے حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا۔

(۷) بعض کبار صحابہ کی تذلیل کی گئی اور انکو جلاوطن کیا گیا، مثلاً ابو ذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، جناب بن جنادہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عباده بن ثابتؓ کیساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک ہوا۔

(۸) زید بن ثابتؓ کے تیار کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا۔

(۹) حدود کے اجراء میں تغافل سے کام لیا۔

(۱۰) فرائض وغیرہ میں تمام امت کے خلاف روایاتِ شاذہ پر عمل کیا گیا، حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہیں کر لیتے تھے ان کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں جن کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا۔ مثلاً حج کے موقع پر منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی۔ حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے بعد شیخین نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بدعتی کی گئی جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عثمانؓ کے فردِ قرارِ جرم کو رنگ آمیزی کر کے نہایت بد نما اور مکروہ بنایا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک الزام بھی تحقیق کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس میں صداقت کا کتنا شائبہ ہے اور اس کو رنگ آمیزی سے کتنا بد نما بنا دیا گیا ہے۔

سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) کبار صحابہ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

(۲) نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا۔

(۳) اپنے خاندان کو فوقیت دی۔

امراؤل کی نسبت تحقیقی فیصلہ سے قطع نظر کر کے پہلے دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ الزام ہے تو اسلام کے سب سے عادل اور مدبر خلیفہ فاروق اعظمؓ پر جن کا عدل و انصاف اور تدبیر دنیا کے اسلام کے

لئے قیامت تک مایہ ناز رہے گا، یہی الزام عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جنہوں نے حضرت خالدؓ سیف اللہ، مغیرہ بن شعبہ اور سعد و قاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا یا حضرت علیؓ اسی اعتراض کے مورد ہوتے ہیں یا نہیں؟ جنہوں نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمال عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا تھا جن کی قوت بازو نے طرابلس، آرمینیا اور قبرس کو زیر نگین کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کسی خاص وقتی سبب کی بنا پر ایک شخص کے لئے موجب مدح اور دوسرے کے لئے موجب ذم بنادیتے جاتے ہیں اور اس پر انہیں طمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق و تنقید کا خیال تک نہیں آتا۔

حضرت عثمانؓ نے کبار صحابہ میں سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا ان میں سے عمرو بن العاصؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ عمرو بن العاصؓ والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کیساتھ نامنصفانہ سلوک کیا تھا اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے اور آخر عبداللہ بن ابی سرحؓ کی تقرری کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گیا۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم قرض لی اور پھر اس کے ادا کرنے میں تساہل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے سخت کلامی کی نوبت پہنچی (۱)۔ ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ رعایا کو خوش نہ رکھتے تھے اور تمام اہل بصرہ ان کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وفد نے دارالخلافہ جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ کیا یہ تمام وجوہ ان حضرات کو معزول کر دینے کے لئے کافی نہ تھے؟ مغیرہ بن شعبہؓ پر رشوت ستانی کا الزام قائم کیا گیا، اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو اس لئے معزول کر دیا کہ حضرت عمرؓ کی ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کی تقرری کی وصیت کی تھی (۲)۔ عمار بن یاسرؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول نہیں کیا تھا بلکہ وہ عہد فاروقی ہی میں معزول ہو چکے تھے۔ البتہ عبداللہ بن مسعودؓ کی معزولی بے وجہ تھی، لیکن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کی طرف سے اس قدر بدگمان کر دیا تھا کہ ان کو معزول کر دینا ناگزیر ہو گیا۔ رہا بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقمؓ اور معقیب کی سبکدوشی تو اس کے متعلق خود حضرت عثمانؓ کا بیان موجود ہے جو انہوں نے ان دونوں بزرگوں کی معزولی کے سلسلہ میں ایک جلسہ عام میں دیا تھا:

صاحبو! عبداللہ بن ارقمؓ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے اس وقت تک آپ کی تقسیم و وظائف کی

الا ان عبد اللہ بن ارقم لم یزل
علی حوائتکم زمن ابی بکر

و عمر الی الیوم وانہ کبر
وضعف وقد ولینا علمہ زید
بن ثابت
خدمت انجام دیتے رہے لیکن اب بوڑھے
اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لئے اس خدمت
کو زید بن ثابتؓ کے سپرد کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مال کی نگرانی کا کام جس قدر اہم اور مشکل ہے اس لحاظ سے اگر حضرت عثمانؓ نے ان دونوں کو جو ضعف اور پیری کے باعث اپنی خدمات کو باحسن وجوہ انجام نہیں دے سکتے تھے سبکدوش کر دیا اور اس عہدہ پر زید بن ثابتؓ کو جو پڑھنے لکھنے اور حساب و کتاب میں خاص طور سے ممتاز تھے، مامور کیا تو کون سی خطا کی؟

امردوم کی نسبت غور کرنا چاہئے کہ نا اہل اور نا تجربہ کار افراد کی تقرری کا الزام کہاں تک درست ہے؟ اس میں شک نہیں کہ ولید بن عقبہؓ، سعید بن العاصؓ، عبد اللہ بن ابی سرحؓ، اور عبد اللہ بن عامر اگرچہ صحابہ کرام اور فاروقی عمال کی طرح زہد و اتقاء کے مالک نہ تھے، تاہم ان کے انتظامی کارنامے اور عظیم الشان فتوحات کسی طرح ان کو نا اہل اور نا تجربہ کار نہیں ثابت کرتے۔ ولید بن عقبہؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے (۱)۔ سعید بن العاصؓ نے طبرستان اور آرمینیا فتح کیا (۲)۔ عبد اللہ بن ابی سرحؓ نے طرابلس اور قبرس کو زیر نگین کیا (۳)۔ کیا ان کی یہ فتوحات ان کی نا تجربہ کاری کا ثبوت ہیں۔

عبد اللہ بن عامر والی بصرہ البتہ ایک کم سن نوجوان تھے لیکن فطری لیاقت کو عمر کی کمی زیادتی سے کوئی تعلق نہیں فتوحات کے سلسلے میں اوپر گزر چکا ہے کہ اسی نوجوان نے کابل، ہرات، جہان اور نیشاپور کو اسلام کے زیر نگین کیا تھا۔ غرض نا اہل اور نا تجربہ کار عمال کے تقرر کا الزام سراسر خلاف واقعہ ہے۔

البتہ امر سوم یعنی اپنے خاندان کے لوگوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر مامور کرنے کا الزام ایک حد تک قابل غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تیخینؓ اس بارے میں نہایت محتاط تھے اور ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات میں اپنے اعزہ و اقارب کے لئے ہمیشہ کوتاہ دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے، مزاج میں اتنی پیش بینی نہ تھی، نیز اپنے اختیارات سے اپنے قرابت مندوں کو فائدہ پہنچانا صلہ رحم جاننے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں نے اس طرز عمل کی اعلانیہ شکایتیں کیں تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ کیا رسول اللہ قریش کو تمام عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور کیا قریش میں بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ

اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنی اُمیہ کو اس میں بھر دیتا (۱)۔ بہر کیف یہ امام وقت کی ایک اجتہادی رائے تھی، ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہ ہوں لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔

دوسرا الزام بیت المال میں مصرفانہ تصرف کا ہے، لیکن ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا گیا ہے وہ یا تو سرتاپا غلط ہیں، یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے، ہم تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصلی صورت میں دکھاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی فیاضی اور جو دو کرم پر قادر تھے یا نہیں؟ یہ مسلمہ تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ دولت مند اور متمول تھے، ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزار ہا روپے پیررومہ کی خریداری پر صرف کئے۔ ایک بیش قرار رقم سے مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کی اور لاکھوں روپے سے ”جیشِ عمرت“ کو آراستہ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ راہِ خدا میں جس کے جو دو سخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوالقربیٰ کے ساتھ کچھ صلہ رحم نہیں کر سکتا تھا؟

اس کے متعلق ایک موقع پر خود حضرت عثمانؓ نے یہ تقریر فرمائی تھی جس سے اس الزام کی حقیقت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے:

قالوا انی احب اهل بیتی
او عطیہم فاما حبی فانہ لم
یسئل معہم علیٰ جور بل
احمل الحقوق علیہم واما
اعطاؤہم فانی ما اعطیہم
من مالی ولا استحل اموال
المسلمین لنفسی ولا لاحد
من الناس ولا کنت اعطی
العطیة الکبیرة الرغیبة من
صلب مالی فی ازمان

لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں اپنے خاندان
والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے
ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے
مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں
صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں
اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود
ہے، مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے
حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے
لئے، میں رسول اللہ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے عہد
میں بھی اپنے مال سے گراں قدر عطیے دیا۔

کرتا تھا، حالانکہ میں اس زمانہ میں بخیل
وحر یص تھا اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر
کو پہنچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا
تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا
ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں،
خدا کی قسم! میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی
بار ایسا نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام دینا
جائز ہو اور جو کچھ وصول ہوا وہ ان ہی
لوگوں کے رفاہ و بہبود پر صرف ہوا، میرے
پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے
بھی میرے لئے کچھ لینا جائز نہیں،
مسلمانوں نے اس کو میرے مشورہ کے بغیر
مستحقین میں صرف کیا، خدا کے مال میں
ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا میں اس
سے کچھ نہیں لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ کھاتا
بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے۔

رسول اللہ ﷺ و ابی بکر
و عمر رضی اللہ عنہما و انا
یومئذ شحیح حریص
افحین اتیت علی اسنان
اہل بیتی و فنی عمری و
ودعت الذی لی فی اہلی
قال الملحدون ما قالوا
وانی واللہ ما حملت علی
مصر من الامصار فضلا
فیجوز ذالک لم قالہ ولقد
رددتہ علیہم و ما قدم علی
الا الاحماس و لا یحل لی
منہا شیء. فولی المسلمون
و صنعہا فی اہلہا دونی و لا
یتلفت من مال اللہ بقلس
مما فوقہ و ما اتبلغ منہ ما

اکل الا من مالی (۱)

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو ان واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہئے جن کی بنا پر
ذوالنورین کی تابش ضیا کو غبار آلود کہا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن اخیر عہد میں حضرت
عثمان کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دیدی تھی۔ چونکہ شیخین کو ذاتی طور پر رسول اللہ کی
منظوری کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرت عثمان نے
عثمان خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو مدینہ بلا لیا (۲) اور ان کے لڑکے مروان
سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا، اور صلہ رحم کے طور پر جیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم
عطا فرمائے۔ نیز مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا۔ یہ ہے اصل واقعہ جس کو
مفسدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ سے کچھ کر دیا۔

① طبری ص ۱۹۵۳ ② صاحب اصحابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔

طرا بلس کے مالِ غنیمت سے مروان کو خمس دلانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے۔ اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اس کو خرید لیا تھا۔ چنانچہ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے:

وارسل ابن زبیر بالفتح
والخمس فاشتره مروان بن
حکم بخمس مائتة الف
دينار وبعض الناس يقول
اعطاه اياه ولا يصح وانما
اعطى ابن ابي سرح خمس
الخمس من الغزوة الاولى

ابن زبیر نے فتح کا مژدہ اور پانچواں حصہ
دار الخلافہ روانہ کیا جس کو پانچ لاکھ دینار پر
مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے
ہیں کہ مروان کو دے دیا گیا صحیح نہیں ہے،
بلکہ پہلے معرکہ کے مالِ غنیمت کے خمس کا
خمس ابن ابی سرح کو دے دیا تھا (۱)۔

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مالِ غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا واقعہ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرا بلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دیا جائے گا۔ چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ انکو دیدیا۔ اس سے عام مسلمانوں کو شکر کایت پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے اسکو واپس لے لیا۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں:

فان رضيتم فقد جاز وان
سخطتم فهور وقالوا انا
نسخطه قال فهورد وكتب
الي عبد الله بر ذلك (۲)

(حضرت عثمانؓ نے کہا) کہ اگر تم لوگ اس
پر راضی ہو تو ان کا ہو چکا اور تمہاری مرضی
کے خلاف ہے تو واپس ہے، لوگوں نے کہا
ہم راضی نہیں ہیں، فرمایا واپس ہے، اور
عبداللہ کو واپس کرنے کا حکم نامہ لکھ دیا۔

عبداللہ بن خالدؓ کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا۔ لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بطور قرض لی ہے۔ حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اپنی صاحبزادیوں کو ہیرے جواہرات دینے کا جو قصہ صرف ابن اسحاق نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے، اس لئے قابل استناد نہیں۔

بیت المال کے صرف سے اپنے لئے محل تعمیر کرنے کا قصہ محض کذاب صریح ہے جو فیاض طبع اپنے ابر کرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہو اور جو اپنا مقررہ وظیفہ بیت المال سے لینا پسند نہ کرتا ہو

وہ اپنے لئے عام مسلمانوں کا شرمندہ احسان ہونا کس طرح گوارہ کرتا۔

زید بن ثابتؓ بہت کم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ اس کو کسی رفاہ عام کے کام پر صرف کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔ انشاء اللہ اس کا تفصیلی بیان تعمیرات کے سلسلہ میں آئے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ کے وظائف کا بند کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ امام وقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو ان دونوں بزرگوں کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لئے انہوں نے کچھ دنوں کے لئے وظیفہ روک دیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وفات پائی تو غایت انصاف سے کام لے کر جس قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا جس کی مقدار تخمیناً بیس پچیس ہزار تھی ان کے ورثاء کے حوالہ کر دیا (۱)۔

(۴) چوتھا اعتراض بالکل بے معنی ہے، فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کے لئے چوراگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصبی فرض ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مقام بقیع کو چوراگاہ قرار دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چوراگاہیں تیار کرائی تھیں، عہد عثمانی میں قدرتا گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، یہاں تک کہ صرف ایک چوراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے (۲)۔ اس لئے سرکاری چوراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چوراگاہیں سرکاری خرچ پر تیار ہوئی تھیں، اس لئے عوام کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے مقام بقیع کی چوراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انہوں نے خود جن الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے لئے کافی ہے:

لوگ کہتے ہیں کہ تو نے مخصوص چوراگاہیں بنائی ہیں حالانکہ خدا کی قسم میں نے اسی کو مخصوص چوراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھی اور خدا کی قسم ان لوگوں سے وہی مخصوص چوراگاہیں تیار کرائیں جن

قالوا وحمیت حمی وانی
والله ما حمیت حمی قبلی
والله ما حموا شیاً لاحد الا ما
غلبه علیہ اهل المدینة ثم لم
يمنعوا من رعیة احدا

① ابن سعد جز ۳ قسم اول تذکرہ عبداللہ بن مسعود
② الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ ص ۱۵۶

پر تمام اہل مدینہ غالب آئے، اسکے بعد چرانے سے کسی کو نہیں روکا اور اس کو مسلمانوں کے صدقہ پر محدود کر دیا اس لئے ان کو چراگاہ بنایا تاکہ والی صدقہ اور کسی کے درمیان نزاع نہ واقع ہو، پھر کسی کو نہ منع کیا نہ اسکو ہٹایا، بجز اس کے جس نے بطور ثبوت کے کوئی درہم دیا، میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا اور کوئی مویشی نہیں ہے حالانکہ جس وقت میں نے خلافت کا بارگراں اپنے سر لیا ہے تو میں

واقصروا المصدقات
المسلمین یجمعونہا لئلا
یکون بین من یلیہا و بین احد
الا من ساقہ ہما و مالی من
بغیر غیر و احلتین و مالی
ثاغیة و لا راعیة و انی قد ولیت
و انی اکثر العرب بعیرا و شاء
فمالی الیوم شاة و لا بعیر غیر
بعیرین الحجی (۱)

عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے صرف حج کے لئے دو اونٹ رہ گئے ہیں۔

(۵) بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کا قصہ بالکل غلط ہے۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نائب رسول ﷺ اور ایک جفاکار بادشاہ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ البتہ کھجوری گٹھلیوں کو زکوٰۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لئے خریدنے کا انتظام کیا گیا ہوگا۔ لیکن اس سے کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور اہل قرابت کو اطراف ملک میں وسیع قطععات زمین مرحمت فرمانے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے۔

عہد عثمانی میں بہت سے اہل یمن گھر اور جائداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے نزدل کی اراضی کا ان کی یمن کی جائداد سے تبادلہ کر لیا تھا۔ مثلاً حضرت طلحہؓ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ جائداد پر قبضہ کر لیا۔ انتظامی حیثیت سے اس قسم کا ردوبدل ناگزیر تھا۔

عراق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو قابل زراعت بنایا حضرت عثمانؓ نے من احبی ارضاً مینتہ فہی لہ پر عمل کر کے ان کو اس کا مالک قرار دیا اور ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لئے اس قسم کی ترغیب و تحریض نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

(۷) اگر حضرت عثمانؓ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب کی تو اس سے

اس کی تذلیل نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ پر کوڑا اٹھا۔ عیاض بن غنم کا کرتہ اتروا کر بکریاں چرانے کو دیں اور سعد و قاصؓ کو درے مارے تو کسی نے اس کو تذلیل پر مجبور نہیں کیا۔

حضرت ابو ذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود تارک دنیا ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لئے ان کو طلب کیا اور وہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہئے، آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی مجھ کو ضرورت نہیں (۱)۔

اسی طرح عبادہ بن صامت کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ ان کی جلاوطنی کی روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک شام میں تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے۔ البتہ عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں۔ لیکن اس کی ان سے تذلیل نہیں ہوئی۔

ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے نزدیک قابل وقعت قرار پا سکتا ہے، جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے محروم ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دے کر پیش نہیں کیا بلکہ فتنہ کے ظہور سے پہلے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی حضرت ابو بکرؓ نے جو مصحف تیار کرایا تھا اسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار و دیار میں بھجوا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو متفق کر دیا یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارہا احسان سے امت محمدیہ بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

(۹) اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے لیکن شرعی حدود کے اجراء میں انہوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ جن واقعات کی بناء پر ان کو اجرائے حدود میں تغافل شعار بتایا جاتا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عبید اللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا۔

(۲) ولید بن عقبہؓ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کو ابو لولو مجوسی نے شہید کیا تو عبید اللہ بن عمرؓ نے غضب ناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ سب سازش میں شریک تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق رائے طلب کی حضرت علیؓ نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بعض مہاجرین نے کہا

عمر کھل قتل ہوئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائے گا؟ عمرو بن العاصؓ نے کہا، امیر المؤمنین! اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس نہ کرے گا۔ غرض اکثر صحابہؓ عبید اللہ کے قتل کر دینے کے خلاف تھے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے بحیثیت امیر المؤمنین میں اس کا والی ہوں اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں۔ اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دے دی (۱)۔ حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی سے اس مقدمے کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قبیلہ عدی کبھی ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت اسی وقت فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جاتی۔

ولید بن عقبہ والی کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمانؓ نے فوراً معزول کر دیا لیکن حد کے اجراء میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ گواہوں پر کامل اطمینان نہیں تھا۔ جب کافی ثبوت بہم پہنچ گیا تو پھر حد کے اجراء میں پس و پیش نہیں کیا گیا (۲)۔

(۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمانؓ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایاتِ شاذہ پر عمل کیا قطعاً غلط ہے۔ البتہ اجتہادی مسائل میں اختلاف آراء ہوا، اور یہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہؓ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱۱) مذہب میں اختراع بدعات کا الزام نہایت لغو اور سراسر کذب ہے۔ اتباع سنت حضرت عثمانؓ کا مقصد حیات تھا۔ منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعات نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نئی شرعی پرہی تھا۔ چنانچہ جب صحابہؓ نے اس کو بدعت پر محمول کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی:

صاحبو! جب میں مکہ میں پہنچا تو یہاں	یا ایہا الناس انی تاہلت بمکة
اقامت کی نیت کر لی اور میں نے رسول	منذ قدمت و انی سمعت
اللہ ﷻ کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں	رسول اللہ ﷺ یقول من تاہل
اقامت کی نیت کر لے اس کو مقیم کی طرح	فی بلد فیصل صلوة المقیم
نماز پڑھنی چاہئے۔	(۳)

(۱۲) بارہواں الزام ”مصری وفد“ کے ساتھ بدعہدی کا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر آئے گی۔

① ابن اثیر ج ۳ ص ۵۸، ۵۹ ② فتح الباری ج ۷ ص ۴۵ و طبری ص ۲۸۴۶

③ مسند ابن جنبل ج ۱ ص ۶۲

شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش

غرض یہ حقیقت ہے ان تمام الزامات کی جن کی بنیاد پر سازش فتنہ پردازی اور انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہو گیا تھا، تاہم حضرت عثمانؓ نے شورش رفع کرنے کے لئے اصلاح اور شکایتوں کے ازالہ کی ایک آخری کوشش کی اور تمام عمال کو دار الخلافہ میں طلب کر کے اس کے متعلق ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں امیر معاویہؓ، عبداللہ بن ابی سرحؓ، سعید بن العاصؓ اور عمرو بن العاصؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رفع کرنے کے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی۔ عبداللہ بن عامرؓ نے کہا امیر المؤمنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے، لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو فتنہ و فساد کی آگي خود بخود سرد ہو جائیگی۔ سعید بن العاصؓ نے کہا: موجودہ شورش صرف ایک جماعت کی وجہ سے ہے، اس کے سرگروہ اگر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ملک میں کامل امن و امان پیدا ہو جائیگا۔ امیر معاویہؓ نے کہا: ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ لے، میں ملک شام کا ضامن ہوں۔

عبداللہ بن سعدؓ نے کہا: شورش پسند گروہ حریص و طماع ہے اس لئے مال و زر سے اس کا منہ بند کیا جاسکتا ہے۔

عمرو بن العاصؓ نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آمادہ کیا ہے، اس کے مدارک کی صرف دو ہی سورتیں ہیں، یا عدل و انصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے۔ اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمرو بن العاصؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاصؓ خاموش رہے لیکن جب مجمع منتشر ہو گیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیر المؤمنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہم خیال سمجھ کر اپنا راز دار بنائیں اور اس طرح آپ کو ان کے خیر و شر سے مطلع کرتا رہوں۔ اگرچہ یہ عذر معقول اور دلنشین نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے (۱)۔

مجلس شوریٰ کے ارکان نے اگرچہ اپنے اپنے خیال کے مطابق مفید آرائیں دیں لیکن ان میں سے کسی رائے سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا (۲) اور خود ایک مکمل اسکیم

سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

مفسدین کوفہ کی رضا جوئی

پہلے گزر چکا ہے کہ مفسدین کوفہ سعید بن العاصؓ سے خاص بغض و عناد رکھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مجلس شوریٰ میں شریک ہو گئے تو انہوں نے باہم عہد کیا کہ اب وہ ان کے کوفہ آنے میں بزور مزاحم ہوں گے۔ چنانچہ جب سعید بن العاصؓ مدینہ سے کوفہ گئے تو مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام جرمہ میں مزاحمت کی اور سعیدؓ کو مدینہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سعیدؓ کو معزول کر کے ابو موسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا اور باغیوں کے پاس لکھ بھیجا کہ میں نے تمہاری خواہش کے مطابق تقرر کر دیا اور آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدوجہد کروں گا اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا (۱)۔

تحقیقاتی وفد

حضرت عثمانؓ برابر اصلاح ملک کی فکر میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لئے وفد روانہ کئے جائیں، حضرت عثمانؓ کو یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت محمد بن مسلمہ کوفہ، اسامہ بن زید بصرہ، عمار بن یاسر مصر، عبداللہ بن عمر شام اور بعض دوسرے صحابہؓ و دیگر صوبہ جات کی طرف تفتیشی حال کے لئے روانہ کیئے (۲)۔ نیز تمام ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتا ہوں اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے۔ فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں کو مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور دوسرے طریقہ سے ظلم و تعدی کرتے ہیں، اس لئے یہ اعلان عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر لے میں کامل تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا (۳)۔

انقلاب کی کوشش

ادھر دربار خلافت میں یہ اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بصرہ، کوفہ، اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رخ کیا (۴) تا کہ حضرت عثمانؓ سے بزور اپنے مطالبات تسلیم کرائیں۔

① طبری ص ۲۹۳۶ ② ایضاً ص ۲۹۴۳ ③ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۲ ④ ایضاً ص ۱۲۵

مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر قیام کیا اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ تھے باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد و قاصؓ، اور حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرا دیں۔ لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانہ اور لوگوں کی صحیح شکایت کا رفع کرنا بہر حال منظور تھا اس لئے انہوں نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجئے۔ میں جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی وساطت سے مفسدین واپس گئے (۱)۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ کے طرز عمل کی توضیح کی۔ لوگ خوش ہوئے کہ اب منازعات کا خاتمہ ہو گیا اور جدید اصلاحات کے اجراء سے ایک طرف تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ جائے گا، دوسری طرف باغ اسلام میں جس کو مسلسل پانچ سال کے فتنہ و فساد اور سازش فتنہ پردازوں کی بادخزاں نے بے رونق کر دیا ہے پھر تازہ بہار آجائے گی۔ لیکن یہ غنچہ سرور ابھی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مہرجا گیا اور ایک دن دفعۃً مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا۔ کہاں صحابہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آگئی ہے اور ”انتقام! انتقام!“ کی صدا میں بلند ہو رہی ہیں۔

حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا۔ مصریوں نے کہا کہ راہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا کہ جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جا رہا تھا۔ اس کی مشتبہ حالت سے بدگمانی ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق والی مصر کے پاس احکام جارہے ہیں، تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن ماردی جائے۔ اس لئے اب ہم اس بدعہدنی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔

خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ

حضرت عثمانؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یہ یقیناً مروان کی شرارت ہے۔ مصریوں نے کہا بہر حال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور پیش آجائیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کسی طرح خلافت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا۔

آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں رمتق جان باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا (۱)۔

محاصرہ

حضرت عثمانؓ کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا۔ ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے خالی ہو چکے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا (۲)۔ ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی، مفسدین کی خیرہ سری سے صحابہ کرامؓ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ، ابو ہریرہؓ، سعد وقاصؓ، اور زید بن ثابتؓ جیسے اکابر صحابہ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا۔ آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو (۳)۔ بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سفر حج کا ارادہ کر لیا۔ اکابر صحابہ نے ان پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی۔ ذمہ دار صحابہ میں اس وقت تین بزرگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ موجود تھے جو نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا۔ تینوں صاحبوں نے کچھ کوششیں بھی کیں مگر اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا اس لئے یہ تینوں اصحاب بھی عملاً علیحدہ رہے۔ مگر اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفہ وقت کی حفاظت کیلئے بھیج دیا۔ حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں جو جان نثار موجود تھے ان کی افسری پر متعین کیا۔

باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی فہمائش

کاشانہ خلافت کا محاصرہ کرنے والے باغیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے مؤثر تقریریں کیں، حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی، مگر ان لوگوں پر کسی چیز کا اثر نہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی آپ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی تو میں نے آپ ﷺ

① ابن سعد تذکرہ عثمانؓ ② طبری ص ۲۱۰ ③ ابن سعد ج ۳ قسم اول

کے حکم کی تعمیل کی، تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں ارومہ کے سوا بیٹھے پانی کا کنواں نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا تو میں نے ہی اس کی تعمیل کی۔ تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو؟ کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟ سب نے جواب دیا خداوند! یہ سب باتیں سچ ہیں (۱)۔ مگر سنگدلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا۔ پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا ”تم کو قسم دیتا ہوں، تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے پہاڑ کو پاؤں سے ٹھوک مار کر فرمایا، اے حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے کہا یاد ہے۔ پھر فرمایا خدا کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپ ﷺ نے مکہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا تو کیا خود اپنے ایک دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا تھا؟ اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی؟ سب نے کہا سچ ہے (۲)۔

آخر میں باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور موقع نکل جائے گا۔ آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جس کو خود حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی صرف تین ہی صورتیں ہیں یا تو اس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جائے گا یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا۔ میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں بدکاری کی، نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا۔ اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں (۳)۔ لیکن باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کارگر نہ ہوئی۔

جان نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی

بعض جان نثاروں نے مختلف مشورے دیئے، مغیرہ بن شعبہؓ نے آ کر عرض کیا ”امیر المؤمنین! تین باتیں ہیں، ان میں سے ایک قبول کیجئے۔ آپ کے طرفداروں اور جان نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے اس کو لے کر نکلے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے۔ آپ حق پر ہیں وہ باطل پر لوگ حق کا ساتھ دیں گے، اگر یہ منظور نہیں تو پھر صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار توڑ کر اس محاصرہ سے نکلے اور سوار یوں پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے

جائیے وہ حرم ہے وہاں یہ لوگ لڑ نہ سکیں گے، یا پھر یہ کہ شام چلے جائیں وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے۔ اگر مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الہی کی توہین نہ کریں گے اور جنگ سے باز آجائیں گے، اور میں آپ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو مکہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہوگا اور شام بھی نہیں جاسکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ ﷺ کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا (۱)۔

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا اور وسیع تھا، دروازہ اور گھر میں صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی جس کی تعداد سات سو (۲) تھی اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے (۳)۔ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المؤمنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے، اجازت ہو تو میں ان بانگیوں سے لڑوں، فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے (۴)۔

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے ان کو بھی بلا کر آزاد کر دیا (۵)۔ حضرت زید بن ثابت نے آکر عرض کیا امیر المؤمنین! انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دو بارہ اپنے کارنامے دکھائیں۔ فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا (۶)۔ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے (۷)۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! کیا تمہیں پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کر دو، عرض کی نہیں۔ فرمایا کہ اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے۔ (یہ سورہ مائدہ ع ۵ کی آیت ۶ کی طرف اشارہ ہے) ابو ہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے (۸)۔

شہادت کی تیاری

حضرت عثمانؓ کو آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے (۹)۔ آپ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے خبردار کیا تھا اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے۔ جس دن شہادت ہونے والی تھی، آپ روزہ سے تھے جمعہ کا دن تھا خواب میں دیکھا کہ آنحضرت اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ شریف فرما رہے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کرو،

① ابن حبیب ج ۱ ص ۶۷ ② ابن سعد ج ۳ ص ۳۹ ③ ایضاً ④ ایضاً

⑤ ابن حبیب ج ۱ ص ۷۲ ⑥ ابن سعد ج ۳ ص ۳۸ ⑦ ایضاً ⑧ ایضاً ⑨ ابن حبیب ج ۱ ص ۶۶

تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں۔ بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا، باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا امیر المؤمنین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت فرما رہے ہیں کہ ”عثمان! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔“ (۱) پھر پانچواں جس کو کبھی نہیں پہنا تھا، منگا کر پہنا (۲)، اپنے بیٹے غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

شہادت

باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا، حضرت امام حسنؑ جو دروازہ پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی ہوئی، چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر تھے، جو حضرت علیؑ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، یہ کسی بڑے عہدے کے طلب گار تھے جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا، یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرمناک کر بیچھے ہٹ گئے اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان سے ”بسم اللہ تو کلت علی اللہ“ نکلا۔ سودان ابن حمران مرادی نے دوسری جانب ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ ایک اور سنگدل عمرو بن احمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے درپے نیزوں کے نوزخم لگائے، کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ نے جو پاس ہی بیٹھی تھیں، ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، وار نے ذوالنورینؑ کی شمع حیات بجھادی، اس بے کسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی و سماوی نے خونِ ناحق پر آنسو بہائے کارکنانِ قضا و قدر نے کہا جو خونِ آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا (۳)۔

شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس خانِ ناحق نے جس آیت کو خونِ ناب کیا وہ یہ ہے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ سَمِيعٌ
خدا تم کو بس ہے اور وہ سننے اور جاننے

① ابن سعد ج ۳ ص ۵۳ اور حاکم ج ۳ ص ۹۹ و ص ۱۰۳ میں یہ دونوں خواب مذکور ہیں اور ابن ضہیل میں صرف پہلے خواب کا ذکر ہے۔

② ابن ضہیل ج اول ص ۱۷۱

③ صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے۔

الْعَلِيمِ (البقرہ، ۱۵) والا ہے۔

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا، دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی، حرم رسول میں قیامت برپا تھی، باغیوں کی حکومت تھی ان کے خوف سے کسی کو اعلانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سچر کا دن گزر کر رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا اور کل سترہ افراد نے کابل سے مراکش تک کے فرماں رواں کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اور ابن سعد میں ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے پیچھے حش کو کب (۱) میں اس حلیم و بردباری کے مجسمہ اور بیکیسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا۔ بعد کو یہ دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا۔ آج بھی جنت البقیع کے سب سے آخر میں مزار مبارک موجود ہے۔

حضرت عثمانؓ کا ماتم

صحابہ کرام اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس سانحہ عظمیٰ کے سننے کے لئے تیار نہ تھا اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ باقی اس حد تک جرأت کریں گا کہ امام وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے اور حرم رسول اللہ ﷺ کی توہین کریں گے۔ اس لئے جس نے اس کو سنا وہ انکشت بدنداں رہ گیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کی طرز حکومت کے کسی قدر شاکی تھے انہوں نے بھی اس بیکیسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے۔ تمام لوگوں میں سناٹا چھا گیا، خود باغی بھی جن کی پیاس اس خون سے بجھ چکی تھی، اب مال کار کو سوچ کر اپنی حرکت پر نادم تھے، لیکن دشمنوں نے اسلام کے لئے سازش کا جو جال بچھایا تھا اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے، متحد اسلام، سنی، شیعہ، خارجی اور عثمانی مختلف حصوں میں بٹ گیا اور ایسا تفرقہ پڑا جو قیامت تک کے لئے قائم رہ گیا۔

● حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آرہے تھے کہ راہ میں شہادت کی

اطلاع ملی یہ خبر سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا، خداوند! میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔

● حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تمہاری اس بد

اعمالی کے سبب پھٹ کر تم پر گر پڑے تو بھی بجا ہے۔

● حضرت حذیفہؓ نے جو صحابہ میں فتنہ و فساد کی پیشین گوئی کے سب سے بڑے حافظ اور

آنحضرت کے محرم اسرار تھے، فرمایا: آہ! عثمان کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب

قیامت تک بند نہ ہوگا۔

- حضرت ابن عباسؓ نے کہا اگر تمام خلقت عثمان کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے۔
- ثمامہ بن عدیؓ صحابی کو جو صنعائے یمن کے والی تھے، اس کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ افسوس! رسول اللہ ﷺ کی جانشینی جاتی رہی۔
- ابو حمید ساعدہؓ صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا، ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا۔
- عبداللہ بن سلامؓ صحابی نے کہا، آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔
- حضرت عائشہؓ نے فرمایا، عثمانؓ مظلوم مارے گئے، خدا کی قسم! ان کا نامہ اعمال ڈھلے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا۔
- حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا۔
- حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آ جاتا تو دھاڑیں مار مار کر روتے (۱)۔
- حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئیں۔ جب وہ کرتہ مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں لڑکائی گئیں تو ماتم برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

① یہ تمام الفاظ ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۵۵، ۵۶ میں مذکور ہیں، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کا فقرہ صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید میں مذکور ہے۔ حضرت علیؓ کا فقرہ حاکم مستدرک میں بسند صحیح نقل کیا ہے۔

عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر

اس میں شک نہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوتِ عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے اور ان کی دولت و مملکت فرزندِ ان تو حید کا ورثہ بن گئی۔ دولتِ کیانی صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی اور تمام ایران مسخر ہو گیا۔ شام، مصر، الجزائر نے بھی سپر ڈال دی۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتحِ قوم کا ایک ہی سیلابِ مفتوح اقوام کے احساسِ خودی کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو؟ اور اس کے قوائے عملی بے کار ہو گئے ہوں؟ سنلدر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا، لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا، لیکن ان کی فتوحات کیوں نقشِ بر آب ثابت ہوئیں۔

درحقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا تو اس کی فتوحات اس تماشِ گاہِ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جانشینِ فاروقؓ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی اور مفتوح اقوام کے جذبہٴ خود سری کو رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور حسنِ عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انہیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی۔

آپ نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی۔ اہل آرمینیا اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا۔ اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی، یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہٴ کانتیجہ تھیں جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کے جذبہٴ آزادی کو برا بھونچتہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تلافی کی مجموعی حکمتِ عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا۔

فتوحات کی وسعت

عہد عثمانی میں ممالک محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس، برقہ اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوئے۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی۔ ایران کے متصل ملکوں میں افغانستان، خراسان، اور ترکستان کا ایک حصہ زیر نگین ہوا۔ دوسری سمت آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کر لیا گیا۔

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوا، حضرت عمرؓ کی احتیاط نے مسلمانوں کو سمندری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کیا، ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے جزیرہ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا اور بحری جنگ میں قیصر روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، ایسی فاش شکست دی کہ پھر رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

نظام خلافت

اسلامی حکومت کی ابتداء شوریٰ سے ہوئی۔ فاروق اعظمؓ نے اس کو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا۔ لیکن آخر میں بنو امیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کر دی۔ مردان بن حکم نے حضرت عثمانؓ کے اعتماد، نیکی اور سادگی سے ناچائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا رسوخ پیدا کر لیا تھا، تاہم جب کبھی آپ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو آپ فوراً اس کے تدارک کی سعی کرتے۔ نیک مشوروں کو قبول کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انہوں نے فوراً اس کو معزول کر دیا اور شرعی حد جاری کی۔ اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک میں عام تحقیقات کے لئے وفد بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔

جمہوری ملک کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو۔ حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم برہم ہو گیا تھا تاہم یہ حقوق بکنسہ باقی تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی سے اعتراض کیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مال غنیمت سے خمس کا پانچواں حصہ دیا تو بہت سے آدمیوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمانؓ کو اس سے واپس کرنا پڑا۔

عمال کی مجلس شوریٰ

ملکی و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلہ میں نسبتاً بہتر اور صائب رائے قائم کر سکتے ہیں، چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائیں طلب کی جاتی تھیں۔ کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ و فساد کی ابتداء ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں، کبھی کبھی دارالخلافہ میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ۳۴ھ میں اصلاحات ملک پر غور کرنے کے لئے جو جلسہ ہوا تھا، اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک تھے (۱)۔

صوبوں کی تقسیم

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلے کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب تقسیم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبوں میں تقسیم کیا تھا، یعنی دمشق، اردن اور فلسطین علیحدہ صوبے قرار پائے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کر کے ایک صوبہ بنا دیا، جو نہایت سود مند ثابت ہوا کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری عہد میں جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولان گاہ بنا تھا اس وقت وہ تمام اضلاع جو شام سے ملحق کر دیئے گئے تھے اس سے پاک و صاف رہے۔ دوسرے صوبہ جات بعینہ باقی رکھے گئے البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس، قبرص، آرمینیا اور طبرستان علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے۔

اختیارات کی تقسیم

حضرت عثمانؓ نے افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا اس سے پہلے والی یعنی حاکم صوبہ انتظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا۔ چنانچہ یعلیٰ بن منبہ صنعا کے عامل ہوئے تو عبداللہ بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے۔ اسی طرح عمرو بن العاصؓ معزولی سے پہلے والی مصر تھے اور مصری فوج کی باگ عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی۔

حکام کی نگرانی

خليفة وقت کا سب سے اہم فرض حکام و عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت

نرم تھے، بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا، لیکن ملکی معاملات میں انہوں نے تشدد و احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا، سعید بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی، معزول کر کے علانیہ حد جاری کی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انہیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح عمرو بن العاصؓ والی مصر وہاں کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا یہ عام طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لئے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفد روانہ کئے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔ یہ تینوں بزرگ صحابہؓ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لئے جو وفد روانہ کئے گئے تھے ان میں یہی حضرات تھے (۱)۔

ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لئے آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے (۲)۔ تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کئے جاتے تھے اس لئے بالموجبہ شکایتوں کی تحقیقات کر کے تدارک فرماتے (۳)۔

ملکی نظم و نسق

فاروق اعظمؓ نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کو بعینہ باقی رکھا اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے، ان کو منضبط کر کے ترقی دی۔ یہ اسی نظم و نسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا لیکن عہد عثمانیؓ میں اس کی مقدار ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی (۴)۔

بیت المال

جدید فتوحات کے باعث جب ملکی محاصل میں غیر معمولی ترقی ہوئی تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ اہل و طائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔

② مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۳

① طبری ص ۲۹۴۳

④ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۳

③ طبری ص ۲۹۴۴

حضرت عمرؓ رمضان میں امہات المؤمنینؓ کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کر دیا۔

تعمیرات

حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لئے عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لئے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے۔ پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنا دیا۔

ملکی انتظام اور رعایا کی آسائش دونوں لحاظ سے ضرورت تھی کہ داخلہ کے تمام راستوں کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کے راستہ میں موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرادیئے۔ چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی، اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا۔ نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا جو بیر السائب کے نام سے مشہور ہے (۱)۔

بند مزور

خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا جس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا، مسجد نبویؐ کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام بند مزور ہے۔ رفاہ عام کی تعمیرات میں یہ خلیفہ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے (۲)۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع

مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ عہد نبویؐ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت نا کافی ثابت ہوئی تھی تو اس کی توسیع کے لئے حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا، پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ سب سے اول ۲۲ھ میں اس کا ارادہ کیا لیکن مسجد کے گرد و پیش جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی مسجد

نبوی ﷺ کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لئے راضی نہ ہوتے۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے مختلف تدبیریں کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گزر گئے۔ بالآخر ۲۹ھ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیئے اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ نگرانی کے لئے تمام عمال طلب کئے اور خود شب و روز مصروف کار رہتے تھے۔ غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ، چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوش نما اور مستحکم عمارت تیار ہو گئی، وسعت میں بھی کافی اضافہ ہو گیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا (۱)۔

فوجی انتظامات

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کو ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے تھے، حضرت عثمانؓ نے اس میں سوسودرہم کا اضافہ کیا اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں علیحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا۔ اس عہد کے مکمل فوجی نظام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ کو حدود شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لئے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور آرمینیا کی فوجیں نہایت عجلت کے ساتھ بروقت پہنچ گئیں۔ اسی طرح جب عبداللہ بن ابی سرحؓ کو طرابلس میں بغاوت فرو کرنے کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام و عراق کی کمک نے عین وقت پر مساعدت کی۔ افریقہ کی فتح میں جب مصری فوج ناکام ثابت ہوئی تو مدینہ سے کمک روانہ کی گئی جس کے افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ انہوں نے معرکہ کو کامیابی کے ساتھ ختم کیا۔

عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے، عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان اور آرمینیا میں بھی فوجی مرکز قائم کیئے گئے اور اضلاع میں چھاؤنیاں قائم کی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

تمام ممالک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لئے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں۔ خود دار الخلافہ کے اطراف میں متعدد چراگاہیں تھیں، سب سے بڑی چراگاہ مقام زبدہ میں تھی، جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر

چوڑی تھی۔ دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ سے بیس میل دور ہے۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے۔ چنانچہ مقام ضربہ میں بنی صبیہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ علاوہ اسکے حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا اور تنظیمین چراگاہ کیلئے مکانات تعمیر کرائے۔ عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

امارت بحریہ

اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا خاص حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ اس سے پہلے یہ ایک خطرناک کام سمجھا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے اس کے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا اور عبداللہ بن قیس حارثی اس کے امیر البحر ہوئے۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ اسی زمانہ میں مسلمانوں کی بحری قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ آسانی کے ساتھ قبرص زیر نگیں ہو گیا اور رومیوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو جس میں پانچ سو جہاز تھے اسلامی بیڑے نے ایسی شکست دی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

مذہبی خدمات

ناجی رسول ﷺ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا۔ چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کر کے ان کے دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں، حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا۔ چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمہ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئیں (۱)۔

غیر قوموں میں اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت عثمانؓ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا (۲)۔ جس مسئلہ میں شبہ ہوتا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکتے تو دوسرے صحابہؓ سے استفسار فرماتے

① ادب المفرد باب خفض المراء ② ابوداؤد کتاب الطہارت باب حفة وضو النبی ﷺ

اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج کے دوران میں ایک شخص نے پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا، جب آپ کھانے کے لئے بیٹھے تو شبہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علیؓ بھی ہمسفر تھے، ان سے استصواب کیا۔ انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور حضرت عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ روک لیا (۱)۔

مذہبی انتظامات کی طرف پوری توجہ تھی، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا حال گزر چکا ہے، مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھی، اس لئے ایک اور مؤذن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متعین تھے جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے (۲)۔

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینیا اور آذربائیجان کی مہم میں شام، مصر، عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں مجتمع تھیں، جن میں زیادہ تر نو مسلم اور جمعی النسل تھے، جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، حضرت حذیفہؓ بن یمان بھی شریک جہاد تھے، انہوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت، اہل عراق سے بالکل جدا گانہ ہے، اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت اہل کوفہ سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کو اس اختلاف سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا ”امیر المؤمنین! اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کر لیں گے۔“ حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ سے اس کی نقلیں کرا کے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی اور ان تمام مختلف مصاحف کو جنہیں لوگوں نے بطور خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا، صفحہ ہستی سے معدوم کر دیا (۳)۔

ظاہر ہے کہ ان اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت و انجیل اور دیگر صحف آسمانی کا ہوا۔

فضل و کمال

نوشت و خواند

حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں سے تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت و خواند جانتے تھے۔ اسلام کے بعد اس ملک میں اور زیادہ ترقی ہوئی۔

کتابت وحی

آپ کی تحریر و کتابت کی مہارت کی بنا پر حضور پر نور ﷺ نے آپ کو کتابت وحی پر مامور کیا تھا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل ہوئی، حضرت عثمانؓ موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی (۱)۔

اسلوب تحریر

اسلوب تحریر کا اندازہ ان فرامین و خطوط سے ہو سکتا ہے جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔ افسوس کہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا۔ بیعت خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں:

انما بتغنم بالاقداء والاتباع	اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ
فلا تلتفتکم الدنيا عن امرکم	حاصل ہوا ہے، پس دنیا طلبی تم کو تمہارے
فان امر هذه الامة صائر ابي	مقصد سے برگشتہ نہ کرنے پائے، امت
الابتداع بعد اجتماع ثلث	میں تین اسباب کے مجتمع ہو جانے کے بعد
فيکم تکامل النعم وبلوغ	بدعات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا، دولت کی
اولادکم من السبايا وقرأة	بہتات، لونڈیوں سے اولادوں کی کثرت،
الاعراب ولا عاجم القرآن	اعراب اور عاجم کا قرآن پڑھنا، رسول اللہ
فان رسول الله ﷺ قال الکفر	نے فرمایا ہے کہ کفر عجمیت میں ہے کیونکہ

میں ہے، کیونکہ وہ جب کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تو (خواہ مخواہ) تکلیف کر کے نئی نئی باتیں گھڑ لیتے ہیں۔

فی العجمة فاذا استعجم
عليهم امر تكلفوا وابتدعوا.

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں:

قریب ہے کہ تمہارے ائمہ نگہبان ہونے کے بجائے صرف تحصیلدار ہو کر رہ جائیں، جب ایسی حالت ہو جائے گی تو حیا، امانت اور وفاداری ناپید ہو جائے گی، ہاں! بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے نفع نقصان کا خیال رکھو، ان کا حق انکو دلو اور ان سے لینا چاہے وہ ان سے وصول کرے۔

يوشكن ايتمكم ان يصيروا
جباة ولا يكونوا دعاة فاذا
عادو كذلك انقطع الحياء
والامانة والوفاء الا وان اعدل
السيرة ان تنظروا في امور
المسلمين وفيما عليهم
فتعطوهم مالهم وتاخذوهم
باللذی عليهم. (۱)

تقریر

برجستہ تقریر و خطابت کا مالکہ نہ تھا، چنانچہ مسند نشینی کے بعد پہلے پہل جب منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاری نہ کی اور صرف یہ کہہ کر اتر آئے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ پہلے سے اس کے لئے تیار ہو کر آتے تھے، میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے۔ آپ کی تقریر مختصر لیکن فصیح و موثر ہوتی تھی۔ ایک خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں:

لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہے اور بعض ناامیدی تو نگری و بے نیازی کے مترادف ہے تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جس سے مستمتع نہیں ہو سکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہو سکتی

ايها الناس ان بعض الطمع
فقر وبعض الياس غنى وانكم
تجمعون مالا تاكلون
وتاملون مالا تدركون وانتم
موجلون في دار غرور.

ہیں تم لوگ اس دھوکہ کے گھر میں ایک وقت مقررہ تک کیلئے چھوڑے گئے ہو۔

قرآن پاک

حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ قرآن کا پڑھنا یا پڑھانا سب سے افضل ہے (۲)۔ غالباً

① یہ تمام عبارتیں طبری ص ۲۸۰۲، ۲۸۰۳ سے منقول ہیں۔ ② ابن حنبل ج ۱ ص ۵۷

اسی لئے ان کو قرآن شریف سے خاص شغف تھا۔ دوسرے اکابر صحابہ کی طرح وہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور چونکہ کاتب وحی رہ چکے تھے، اس لئے ہر آیت کے شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے۔ کہتے ہیں کہ عہد نبوت میں انہوں نے بھی ایک مصحف جمع کیا تھا (۱)۔ آیات قرآنی سے استدلال، استنباط احکام اور تفریح مسائل میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ قرآن پاک کو نو مسلم قوموں نے تحریف سے بچانا ان کا بڑا کارنامہ ہے، یہ واقعہ بھی ان کی فضیلت کا ایک باب ہے کہ اس وقت بھی جب وہ دشمنوں کے زور میں تھے اور قاتل تیغ بکف ان کے سامنے تھے اور وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔

حدیث شریف

سلسلہ احادیث میں دوسرے صحابہ کی نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ آپ کی کل روایتوں کی تعداد ۱۴۶ ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف مسلم ہیں، اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں۔

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات حدیث میں حد درجہ محتاط تھے، فرماتے تھے کہ ”آنحضرت ﷺ سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ”جو شخص میری طرف وہ منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے“ (۲)۔

اسی لئے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے، عبد الرحمن بن حاطب کا بیان ہے کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات کرنے والا نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے (۳)۔

فقہ و اجتہاد

حضرت عثمانؓ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ مرتضیٰ کی طرح اکابر مجتہدین میں داخل نہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے مجتہد صحابہ کی طرح ان کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب آثار میں مذکور ہیں۔ لوگ ان کے قول و عمل سے استناد کرتے تھے (۴)۔ خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، اس علم میں ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا درجہ تھا (۵)۔

① نزہۃ الابرار قلمی ص ۴۱ کتب خانہ حبیب گنج ② مسند ابن جنبل ج ۱ ص ۶۵ ③ ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۳۹ ④ بخاری کتاب الغسل واہن جنبل ج ۱ ص ۷۰، ۶۰ وغیرہ ⑤ ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۱

پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں ان کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں گئے اور اپنی چادر ایک شخص پر جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا، ڈال دی، اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کر دے، اس کو اڑا دیا، کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ لیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا، کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کا باعث ہوئے تھے (۱)۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ مدعا علیہ تھے۔ اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے۔ یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت ولی کے قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا اور رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دے کر بیت المال میں داخل کر دی۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے بعض اجتہاد سے بعض معاملات میں سہولت پیدا کر دی، مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی (۲)۔

ان کے بعض اجتہادی مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہؓ کو اختلاف بھی تھا لیکن حضرت عثمانؓ چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا۔ مثلاً آپ لوگوں کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ نیت کرنے سے اس بنا پر روکتے تھے کہ اس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی، یعنی کفار کا خوف، لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے (۳)۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حج کے موقع پر اقامت کی نیت کر لے تو اس کو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنی چاہئے۔ حضرت علیؓ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے، حضرت عثمانؓ حالت احرام میں نا جائز قرار دیتے ہیں (۴)۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے اس کی ممانعت سنی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت عثمانؓ اس زن مطلقہ کو جس کو طلاق بائن دی گئی ہو، حالت عدت میں وارث قرار دیتے تھے (۵)۔ کیونکہ ان کے خیال میں جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک ایک رشتہ قائم ہے، حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حالت عدت میں کسی عورت سے نکاح کر لے تو مستوجب سزا ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ

① مسند شافعی طبع آ رہ ص ۷۹ ② کتاب الخراج مصر ۹۲ ③ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۱

④ ایضاً ص ۶۸ ⑤ مسند شافعی طبع آ رہ ص ۱۷۰

ایک شخص ان کے عہد میں اس کا مرتکب ہوا تو انہوں نے اس کو جلا وطن کر دیا (۱)۔ حضرت علیؓ کو کسی حد شرعی کا مستوجب نہیں سمجھتے تھے۔ غرض اسی طرح بعض اور مسائل میں بھی حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا، ان بزرگوں کی رواداری اور صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے پوری چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے لیکن میں عملاً امیر المؤمنین کی مخالفت نہیں کروں گا۔ چنانچہ خود بھی دو کے بجائے پوری رکعتیں پڑھیں۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ ”ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے، میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔“

بعض ناواقفوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، ہم بیمار ہوتے تو آپ ﷺ ہماری عیادت فرماتے، ہمارے جنازوں کے پیچھے چلتے، ہم کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے، کم و بیش جو کچھ ہوتا اس سے ہماری عنخواری فرماتے۔ اب ایسے لوگ ہم کو آپ ﷺ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید آپ ﷺ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو (۲)۔

علم الفرائض

حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا اس لئے ان کو علم حساب سے ضرور دلچسپی رہی ہوگی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے جس میں حساب کو بڑا دخل ہے، مناسبت تھی، چنانچہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے۔ قرآن شریف میں ذوی الفروض اور بعض عصبات کا ذکر ہے۔ حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دے کر موجودہ علم الفرائض کی عمارت قائم کی۔

یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس سے متعلق تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے، بعض صحابہ کو یہاں تک محووف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا (۳)۔

① نزہۃ الابرار قلمی ص ۴۱ کتب خانہ حبیب گنج ② مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۹

③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۲

اخلاق و عادات

حضرت عثمانؓ فطرتاً عقیف، پارسا، دیانت دار اور راست باز تھے۔ حیا اور رحمدلی ان کی خاص شان تھی۔ ایام جاہلیت میں جبکہ عرب کا ہر بچہ مست شراب تھا، اس وقت بھی عثمانؓ ذوالنورین کی زبان بادۂ گلگوں کے ذائقہ سے نا آشنا تھی (۱)۔ اور جب کذب و افتراء، فسق و فجور عالمگیر تھا، آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

خوفِ خدا

خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے۔ جو دل خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں نہیں، اس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمانؓ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہے کہ انہیں دیکھ کر آپ بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبرِ آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے (۲)۔

حبِ رسول

حضرت عثمانؓ تقریباً تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے اور آپ پر فدویت و جاٹاری کا حق ادا کیا۔ آپ کو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ اتنی محبت و شیفتگی تھی کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے اور جب موقع ملا آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ ایک دفعہ چار دن تک آلِ رسول ﷺ نے فقر و فاقہ سے بسر کیا،

حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامان خورد و نوش اور تین سو درہم لاکر بطور نذرانہ پیش کئے (۱)۔

احترام رسول

آنحضرت ﷺ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا (۲)۔ اہل بیت نبوی اور ازواج مطہرات کا خاص طور سے پاس و خیال تھا۔ چنانچہ اپنے عہد خلافت میں جب اصحاب و وظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کئے تو ازواج مطہرات کا روزینہ سب سے دو نامقرر کیا۔

اتباع سنت

جناب سرور کائنات ﷺ کی ذات پاک سے اس محبت و ارادت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کرتے ہوئے متبسم ہوئے۔ لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا (۳)۔ ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (۴)۔ ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے (۵)۔ ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوا یا اور کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا کہ آنحضرت نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا (۶)۔ حج کے موقع پر آپ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے، طواف میں انہوں نے رکن یماق کا بھی بوسہ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے ایسا نہیں کیا تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کا استلام کرنا چاہا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ انہوں نے کہا، ہاں! کیا آپ کو اس کا استلام کرتے تم نے دیکھا؟ کہا، نہیں! فرمایا، پھر کیا رسول اللہ کی اقتداء مناسب نہیں؟ انہوں نے جواب دیا بیشک (۷)۔

حیاء

شرم و حیاء حضرت عثمانؓ کا امتیازی وصف تھا، اس لئے مؤرخین نے ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں حیاء کا مستقل عنوان قائم کیا۔ آپ میں اس درجہ شرم و حیاء تھی کہ خود حضور پر نور ﷺ

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶ ② بنیاد ص ۳۷۱ ③ طبری ص ۲۸۰۴

④ مسند ابن ضبیل ج ۱ ص ۵۸ ⑤ ایضاً ص ۶۸ ⑥ ایضاً ص ۶۸، ۶۷ ⑦ ایضاً ص ۷۰، ۷۱

اس حیا کا پاس دلچسپ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام کا مجمع تھا، رسول اللہ ﷺ بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے، زانوائے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوائے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے لئے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں (۱)۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہؓ بھی بیان فرماتی ہیں (۲)۔ حضرت ذوالنورینؓ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

زُہد

حضرت عثمانؓ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعف پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انہوں نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی، ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے اور فاروق اعظمؓ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا نہیں کھا سکتے تھے۔ لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ آپ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انہوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں۔ قز ایک خوش وضع رومی کپڑا تھا جو عرب کا مطبوع عام لباس تھا۔ امراء تو امراء متوسط درجہ کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا۔

تواضع

تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے، لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کے لئے اٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ فرماتے۔ اگر کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے۔ ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے اثنائے گفتگو میں حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی۔ حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ عبد اسلام میں زمانہ جاہلیت کا کیا تذکرہ ہے (۳)۔ اسی طرح ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی، عثمانؓ توبہ کر اور اپنی بے اعتدالیوں سے باز آ۔ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور کہا:

اللہم انی اول تائب تاب الیک اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں جس نے تیری درگاہ میں رجوع کیا۔

① بخاری ج ۲ مناقب حضرت عثمانؓ ② مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۱ ③ طبری ص ۲۹۶ ④ ایضاً ص ۲۹۷

ایثار

آپ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا۔ چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لئے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیا (۱)۔ اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔

حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔ اس حساب سے حضرت عثمانؓ نے اپنے دوازدہ سالہ مدتِ خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گراں قدر رقم مسلمانوں کے لئے چھوڑی، جو درحقیقت ایثارِ نفس کا نمونہ ہے۔

فیاضی

حضرت عثمانؓ عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی، اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

مدینہ میں تمام کنویں کھاری تھے، صرف بیرومہ جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا شیریں تھا، حضرت عثمانؓ نے رفاہ عام کے خیال سے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد نبوی ﷺ میں جگہ کی تنگی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے ایک گراں قدر رقم صرف کر کے اسکی توسیع کرائی۔ آپ کی فیاضی کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا۔ یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جبکہ عام طور پر مسلمانوں کی عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا اور دوسری طرف قیصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول اللہ ﷺ کو تشویش دامن گیر تھی۔

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جو دو کرم اور صدقات و خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے (۲)۔ بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے۔ مسلمانوں کی عسرت و تنگ حالی سے ان کو دلی صدمہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک جہاد میں ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اداس تھے اور اہل نفاق ہشاش ہر طرف اکڑتے پھرتے تھے۔ اسی وقت چودہ اونٹوں پر سامانِ خورد و نوش بار کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرادیں (۳)۔

① طبری ص ۲۹۵۳ ② نزہۃ الابرار قلمی ص ۴۱ کتب خانہ حبیب گنج ③ کنز العمال ج ۶ ص ۶۷۴

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسن سلوک

اعزہ اور احباب کے ساتھ مسلوک ہوتے تھے اور ان کی پرورش فرماتے تھے۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو رسول اللہ ﷺ نے طائف کو جلاوطن کر دیا تھا، حضرت عثمانؓ نے بارگاہ نبوت میں کوشش کر کے ان کی خطا معاف کرائی اور اپنے عہد میں مدینہ بلوایا اور جیب خاص سے ان کی اولاد کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے (۱)۔ اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر کے جہیز میں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، عثمانؓ بن ابن العاص، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور ان کے عہد خلافت میں ممتاز عہدوں پر متعین رہے۔ احباب کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا، ان کی ضرورت پر بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے اور بسا اوقات واپس نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی۔ کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے (۲)۔

صبر و تحمل

صبر و تحمل کا پیکر تھے، مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ سینکڑوں وفا شعار غلام اور ہزاروں معاون و انصار سرفروشی کے لئے تیار تھے مگر اس ایوب وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لئے دنیا سے روپوش ہو گیا۔

مذہبی زندگی

دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے تھے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے (۳)۔ دوسرے تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے تھے۔ کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے، اور شب کے وقت صرف اس قدر کھا لیتے کہ سدر مق کے لئے کافی ہو۔

ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے، خود امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خصوصاً ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گزرا۔ البتہ جس سال شہید ہوئے اُس سال محصور ہونے کے باعث نہ جاسکے۔

ذاتی حالات

مسکن

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوسؓ بن ثابت کے مہمان ہوئے اور غالباً عرصہ تک ان ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ اس کے بعد اپنے عہدِ خلافت میں مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک محل تعمیر کرایا، جو عظمت و شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا۔ یہ جگہ اب بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مشہور ہے اور کچھ حصہ مغربی حاجیوں کا زادیہ ہے اور یہاں ایک کتب خانہ، کتب خانہ سیدنا عثمانؓ کے نام سے قائم ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی پشت پرگلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر مشہد سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

وسائلِ معاش

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، عرب میں کوئی ان سے بڑا دولت مند تاجر نہ تھا، اس غیر معمولی دولت و ثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا تھا تھا۔

جاگیر

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کو جو اس معرکہ میں شریک تھے، جاگیریں عطا کی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے مختلف مقامات میں جائدادیں خریدی تھیں، مدینہ سے قریب مقام بقیع میں بھی ایک نہایت وسیع قطعہ خریدا تھا جس کو انہوں نے قبرستان کے لئے وقف فرما دیا تھا۔

زراعت

جہاں تک معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے۔ البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دوثلث کاشت کار کو ملتا تھا اور صرف ایک ثلث آپ کا حق ہوتا تھا۔

غذا

ضعف پیری کے باعث غذا عموماً نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے، دسترخوان پر عموماً

اعزہ واحباب کا مجمع رہتا تھا۔

صفائی

مزاج میں نفاست اور طہارت تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے۔
(ابن حنبل ۱-۶۷) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے اور عطر لگاتے تھے۔

لباس

ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے، گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں تکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا، ایسے کپڑوں سے نہایت پرہیز کرتے تھے جس سے مزاج میں غرور اور تکبر اور خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، نطف ایک خاص قسم کا رومی کپڑا تھا جو امرائے عرب میں عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن انہوں نے اس کو کبھی استعمال نہیں فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیا۔ تمام عمر پانچاچامہ نہیں پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا تھا، عموماً ماتہ بند باندھا کئے۔ ایک تابعی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا تہ بندوہ پہنے تھے اس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی (۱)۔

حلیہ

صورۃ خوش رو اور خوب صورت تھے (۲)۔ رنگ گندم گوں، قدم معتدل، ناک بلند اور خم دار، زخسار پُر گوشت اور ان پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، داڑھی گھنی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے، یہاں تک کہ زلف کانوں تک پہنچتی تھی، بعض روایات کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے، دانت پیوستہ اور چمکدار تھے جن کو سونے کے تار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

ازواج و اولاد

مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، پہلی بیوی آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں۔ حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں، واپس آ کر مدینہ منورہ ہجرت میں شریک ہوئیں۔ ایک سال زندہ رہیں سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی۔ ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ اس کے بعد آنحضرت کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے سنہ ۳ھ میں نکاح ہوا۔ انہوں نے بھی نکاح کے چھ سات برس بعد ۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

① مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۲ ② ابن حنبل ج اول ص ۷۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶

اس کے بعد حسب ذیل نکاح کئے:

③ فاختہ بنت غزو ان: ان کے لطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا، عبداللہ نام تھا لیکن وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

④ ام عمرو بنت جندب: ان کے لطن سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم پیدا ہوئے۔

⑤ فاطمہ بنت ولید: یہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں ہیں۔

⑥ ام لبنین بنت عقیقہ: ان سے عبدالملک پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

⑦ رملہ بنت شیبہ: عائشہؓ، ام ابان اور ام عمرو ان کے لطن سے تولد ہوئیں۔

⑧ نائلہ بنت الفرافصہ: شہادت کے وقت موجود تھیں، ان کے لطن سے مریم بنت عثمانؓ پیدا ہوئیں۔

صاحبزادوں سے نامور حضرت ابان ہوئے۔ انہوں نے بنو امیہ کے عہد میں خاصا اعزاز

حاصل کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰؑ

نام، نسب، خاندان

علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر (۱) (شیر) لقب والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مروہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علیؑ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علیؑ مرتضیٰ کے والد ابوطالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا۔ ابوطالب ہر موقع پر آپ ﷺ کے سینہ پر سپر رہے اور سرور کائنات ﷺ کو کفار کے پنجہ ظلم و ستم سے محفوظ رکھا۔ مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک گھائی میں اس کو محصور کر دیا۔ کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے، کھانا پینا تک بند کر دیا۔ غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا۔

آنحضرت ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (ﷺ) کی جو خدمت و حمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو، اس لئے ابوطالب کی وفات کے وقت

نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی۔ ابوطالب نے کہا، عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا (۱)۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے۔ بہر حال ابوطالب نے گواہی دینی کہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم انہوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا، اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکرگزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی۔ مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو تبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں (۲)۔

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے۔ قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لئے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے محبوب چچا کی عمرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پر نور ﷺ کے ساتھ رہے (۳)۔

اسلام

حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا ہوا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا۔ چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لئے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ چنانچہ ایک روز آنحضرت ﷺ اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کو مصروف عبادت دیکھا۔ اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا۔ طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرور کائنات ﷺ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے۔ متحیر ہو کر عرض کی، اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرور کائنات

ﷺ کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا، اس لئے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ آنحضرت کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی، اس لئے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے، اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن حارثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ غورتوں میں، حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرورِ کائنات ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجموعوں میں، کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبودِ حقیقی کی پرستش و عبادت کے موقعوں پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمینِ مکہ میں مسلمانوں کے لئے اعلانِ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ آنحضرت ﷺ چھپ چھپ کر اپنے معبودِ حقیقی کی پرستش فرماتے۔ حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ وادیِ نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گزر ہوا۔ اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت ﷺ نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا (۱)۔

ایام حج میں مکہ کی سرزمین قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر عام مجموعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے، تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے (۲)۔ کبھی کبھی تو آپ کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے (۳)۔

انتظام دعوت

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین برس تک اعلانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی۔ بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے۔ چوتھے سال کے اعلانِ عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ
اپنے قریبی اعزہ کو (عذابِ الہی) سے ڈراؤ

سرورِ کائنات ﷺ نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا تھا۔ ابولہب نے کہا: تسالک اسی لئے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغِ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؑ کو انتظامِ دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علیؑ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انہوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا۔ دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا۔ دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی، حضرت حمزہؑ، عباسؑ، ابولہب اور ابوطالب بھی شریک تھے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر فرمایا: "یا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟" اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علیؑ مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ "گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوبِ چشم کا عارضہ ہے، اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ کا یاد اور دست و بازو بنوں گا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ، اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ پھر اٹھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارگراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؑ نے جاں بازی کے لہجے میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ کہ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔" (۲)

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے، لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ ﷺ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو اسیرِ پنجہ ستم دیکھ کر

① طبری ص ۱۲۷۲ یہ روایت مسند ابن فضیل میں بھی بالاختصار مذکور ہے۔ دیکھو جلد اص ۱۵۵

آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اس ہجرت سے مشرکین کے اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اسلئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں۔ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول ﷺ کی جان کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کا شانہ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذاتِ اقدس ﷺ کو دنیا سے رخصت کر دیں، لیکن مشیتِ الہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پُر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کا فور ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا۔ اسلئے وحی الہی نے آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دیدی اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا، سرورِ کائنات ﷺ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علیؓ کو اپنے فرسِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابو بکرؓ صدیق کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

قدویت و جان نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیس برس کی تھی، اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا قدویت و جان نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب رہا۔ غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکہ میں رہے کہ خود سرورِ کائنات ﷺ ہی استراحت فرما ہیں۔ صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے، لیکن یہاں یہ دیکھ کر وہ متحیر رہ گئے کہ شہنشاہِ دو عالم ﷺ کے بجائے آپ کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ آنحضرت کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ کا کاروبار اور لین دین تھا، ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ، حضرت کلثومؓ بن ہدم کے مہمان تھے اس لئے حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جا کر فروکش ہوئے (۱)۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا (۲)۔

تعمیر مسجد

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ آزادی و حریت کی سر زمین میں تھا جہاں ہر شخص اعلانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کائنات کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے۔ حضرت علیؓ اینٹ اور گارہ لالا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے (۱)۔

جو مسجد تعمیر کرتا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس
مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد و غبار
کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ
برابر نہیں ہو سکتے۔

لا یستوی من یعمر المساجد
یدائب فیہ قائماً وقاعداً و من
یری عن الغبار حائداً

غزوات و دیگر حالت

غزوہ بدر

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے، اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کبرار کے ہاتھ میں تھا۔ جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت علیؑ کو چند منتخب جان بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا، ستر ہویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی۔ قاعدہ کے موافق پہلے تنہا مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے۔ تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے۔ قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے نوجوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور آنحضرت ﷺ کو پکار کر کہا کہ اے محمد! ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لئے۔ حمزہؓ، علیؑ، اور عبیدہؓ، تینوں اپنے حریفوں کے لئے میدان میں آئے۔ حضرت علیؑ نے اپنے حریف، ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا۔ مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرہ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ شیر خدا نے صفوں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر (۷۰) قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی (۱)۔

حضرت فاطمہؓ سے نکاح

اسی سال یعنی سنہ ۲ھ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کا دامادی کا شرف بخشا۔ یعنی اپنی

محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہؑ زہرا سے نکاح کر دیا۔
 حضرت فاطمہؑ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ
 نے کی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی۔
 آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے
 اور ایک ذرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ ذرہ کو
 فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر
 آنحضرت کے سامنے پیش کی۔ آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید
 لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی (۱)۔

رخصتی

نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت
 ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ
 ایک مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ اور ملکہ جنت کو
 رخصت کرا کے اس میں لے آئے (۲)۔

جہیز

حضرت سیدہ زہراؑ کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا اس کی کل کائنات یہ تھی، ایک پلنگ، ایک
 بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؑ کی زندگی
 تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی۔ خود رسول اللہ کے ساتھ رہتے تھے۔ ذاتی
 ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے
 دعوتِ ولیمہ کے لئے چھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ میں (۳) اس
 اونٹ کو ذبح کر کے کباب بنا دیا۔ اس لئے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو
 ذرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ
 کا سامان کیا جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا، لیکن یہ اس زمانے کے
 لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا (۴)

① زر قانی ج ۲ ص ۴ ② اصحابہ ج ۸ ص ۱۵۸

③ اس وقت شراب حرام نہیں ہوتی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے۔ ④ زر قانی ج ۲ ص ۸

غزوة اُحد

۳ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکا یک ٹوٹ پڑے۔ اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے۔ اسی حالت میں سرور کائنات ﷺ کو چشم زخم پہنچا، دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ایک خندق میں گر پڑے (۱)۔ مشرکین اُدھر بڑھے لیکن حضرت مصعب بن عمیر نے ان کو آپ کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کے علمبردار، ابو سعید بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لئے لکارا۔ شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا۔ حضرت علیؑ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آ گیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔

مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؑ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے۔ حضرت فاطمہؑ نے زخم دھویا اور حضرت علیؑ نے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؑ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔

بنو نضیر

غزوة اُحد کے بعد سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بد عہدی کے باعث جلا وطن کیا گیا۔ حضرت علیؑ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوة خندق

۵ھ میں غزوة خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا۔ حضرت علیؑ نے چند جانباڑوں کے ساتھ بڑھ کر روکا۔ سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؑ نے اپنے کو پیش کیا۔ اُس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ شیر خدا نے کہا، لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اور مقابلہ میں آیا۔ تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے (۲)۔ کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کئے رہے، لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔

بنو قریظہ

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ اس لئے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف توجہ کی۔ اس مہم میں بھی علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔

بنو سعد کی سرکوبی

۶ھ میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی اعانت کیلئے مجتمع ہو رہے ہیں، اسلئے حضرت علیؑ کو ایک سو (۱۰۰) کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو انٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ

اسی سال یعنی سنہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضرت عثمانؓ گفتگو کے لئے سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ مشرکین نے ان کو روک لیا۔ یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی۔ حضرت علیؑ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا۔ اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علیؑ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور ہذا اما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی۔ مشرکین نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا؟ سرور کائنات ﷺ نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؑ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی، خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مٹا سکتا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔ اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے (۱)۔

فتح خیبر

۶ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے

① بخاری کتاب الصلح زرقانی باب غزوہ حدیبیہ

لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش اس نخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا، لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کراڑ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ ﷺ نے علیؑ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی۔ کیونکہ حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کو بلا کر اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی (۱)۔

مرحب

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علیؑ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنا لوں؟ فرمایا، نہیں بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ تمہاری کوشش سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لئے بڑی بڑی نعمت سے بہتر ہے (۲)۔ لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت اور رسوائی لکھی تھی، اس لئے انہوں نے آنحضرت کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل معرب
خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سطح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں

اذا لحروب اقبلت تلہب

جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر نے اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے پڑھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظرہ
میں ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا

اوفیہم بالصاع کیل السدرہ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا (۳)۔ اس کے بعد حیدر کراڑ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا۔

مہم مکہ

رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے

① بخاری کتاب المغازی غزوة خیبر ② ایضاً ③ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر باب غزوة ذی قرد وغیرہا

تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لئے روانہ ہو گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اور خانہ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا۔ پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان لوگوں نے جامع تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے خط حوالہ کر دیا اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حاتم بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی، حضور فرد جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں (۱)۔

غرض آنحضرت ﷺ ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

اليوم يوم الملححة اليوم تستحل الكعبة

آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں، چنانچہ وہ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل (۲) ہوئے اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت آ گیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانہ کعبہ کے گرد جس قدر

بت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت فرماتے جاتے تھے: جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم و اسماعیل کی مورتیوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے (۱)۔ لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتیوں سے اٹا ہوا تھا اس لئے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا۔ یہ لوہے کی سلاح میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لئے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لئے حضور پر نور ﷺ نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انہوں نے سلاح سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی ﷺ پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی (۲)۔

ایک غلطی کی تلافی

فتح مکہ کے بعد آنحضرت نے خالد بن ولیدؓ کو بنو حذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے توحید کی دعوت دی، بنو حذیمہ نے اسے قبول کیا، لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے صبا نا صبا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید نے ان کا منشا سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علیؑ کو اس غلطی کی تلافی کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور مقتولین کے معاوضہ میں خوں بہا دیا (۳)۔

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ لیکن جب وہ مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پا کر پھر اچانک حملہ کر دیا۔ مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے۔ ان میں ایک حضرت علیؑ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے

① بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح ② حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے، لیکن فتح مکہ کے بجائے شبِ ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قرین عقل ہے، ہجرت کی ایسی نازک رات میں جبکہ جان خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے۔ دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہے۔

③ فتح الباری ج ۸ ص ۶۶

امیرِ عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کے مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی (۱)۔

اہل بیت کی حفاظت

۹ھ میں جب آنحضرت نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔ سرور کائنات کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لئے فرمایا: ”علی! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا“ (۲)۔

تبلیغِ فرمانِ رسول

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی اثناء میں سورہ برأت نازل ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورہ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لئے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورہ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ کے ساتھ کوئی عہد ہے وہ مدتِ مہینہ تک باقی رہے گا (۳)۔

مہمِ یمن اور اشاعتِ اسلام

تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ، مامور ہوئے۔ لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے رمضان سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت نے حضرت علیؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لئے نہایت دشوار ہوگا“۔ حضور نے دعا فرمائی: ”اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دے“، اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرق مبارک پر عمائم باندھ اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا (۴)۔

① سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۷ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۹ ② بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ

④ زر قالی ج ۳ ص ۱۲۲

③ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۲، ۳۳۳

حضرت علیؑ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کارنگ بالکل بدل گیا۔ جو لوگ حضرت خالدؓ کی چھ مہینے کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے، وہ حضرت علیؑ مرتضیٰ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا (۱)۔

حج الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے آخری حج کیا۔ حضرت علیؑ بھی یمن سے آ کر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

صدمہ جانکاہ

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے۔ حضرت علیؑ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، ایک روز باہر آئے لوگوں نے پوچھا، اب حضور انور ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؑ نے اطمینان ظاہر کیا۔ حضرت عباسؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ہمارے لئے خلافت کی وصیت کر جائیں۔ حضرت علیؑ نے کہا، ”میں عرض نہیں کروں گا۔ اگر خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی“ (۲)۔ دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آنحضرت ﷺ نے جان نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ حضرت علیؑ چونکہ رسالت مآب ﷺ کے قریب ترین عزیز تھے اور خاندان کے رکن رکین تھے، اسلئے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے (۳)۔ انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خليفة اول کی بیعت، توقف کی وجہ

سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی۔ البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی۔ لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لئے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر

② صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ

① فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۲

③ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۱

کے وہ صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے، چنانچہ جب حضرت فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا اس وقت انہوں نے خود حضرت ابو بکرؓ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی (۱)۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکرؓ صدیق نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے (۲)۔ اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے ان کے رفع کرنے کے لئے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انہوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے یہ ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتمادیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھر ان سے عام بیزارگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علیؓ مرتضیٰ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا۔ برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں۔ آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتمادیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑا (۳)۔

سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، حضرت عثمانؓ نے ان سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرادیں اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیں، پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر درمیان میں پڑے اور حضرت عثمانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر انقلاب پسندوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کر دیا۔ مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلامشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کر دیا

① بخاری غزوہ خیبر ② تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰۶ و طبری فتح المقدس ③ تاریخ طبری ص ۲۹۲۸

جائے۔ مصری اس غداری سے غضبناک ہو کر پھر مدینہ واپس آئے اور حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کرواپس کیا اور دوسری طرف سے دربار خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا۔ حضرت علیؑ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت علیؑ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزلت نشین ہو گئے۔

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے۔ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؑ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ حضرت علیؑ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے (۱) محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا تاہم حضرت علیؑ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی۔ وہ سمجھے کہ جس طرح حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے۔ تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لئے بھیج دیا، جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی۔ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو مارا۔ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعتِ خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؑ کو اللہ وجہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لئے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے

مجبور ہو کر اٹھانا پڑا (۱)۔ اور اس واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دو شنبہ کے دن مسجد نبوی ﷺ میں جناب علی مرتضیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہ تھیں، اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے جملہ سے محبوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک نہ تھے۔ غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں۔ لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لئے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لئے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لئے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب ایہ کا اور اپنا نام لکھا۔ قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صابو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں۔ قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفرؓ نے اس کے جواب میں کہا ”تمہارا برا ہو! کیا تم مہاجرین و انصار کو شامیوں

سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم! نہ تو قمیص عثمان، قمیص یوسف ہے اور نہ معاویہ کو یعقوب کی طرح غم ہے۔ اگر شام میں اس قدر اس کو اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت عائشہ کی قصاص پر آمادگی

امیر معاویہ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسرا قضیہ نامرضیہ پیدا ہو گیا۔ یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے، ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ (۱)۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے بھی شور و غوغا کی داستان سنائی۔ ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بد نظمی پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسند خلافت پر متمسک ہونے کے ساتھ تمام عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لئے کافی تھا، انہی بدگمانیوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا، چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں، عبد اللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتد بہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں۔ پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔

سفر عراق

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق

کو وفاداری کا سبق دیں۔ انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرورِ کائنات ﷺ کے ہمراہ رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گزارش کی کہ دار الخلافہ کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اگر اُس وقت خالدؓ، ابو عبیدہؓ، سعد و قاصؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ نے شام و ایران کو تالا کر دیا تھا تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی، وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں، اس لئے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفرِ عراق کے لئے تیار ہو جائیں۔ چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمراہ ہوئے۔ ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت امام حسنؓ کا سفرِ کوفہ

یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔ حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلا یا وہ اب سر پر ہے، اس لئے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزت نشین ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس اثناء میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا، تم بھی ہماری مسجد میں سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المؤمنین کی مساعدت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدیؓ کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المؤمنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کر دو میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔

غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدیؓ کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المؤمنین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت

امام حسنؑ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المؤمنین کی فوج سے مل گئی۔ جناب امیرؑ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا۔ اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علیؑ کا طرف دار تھا اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی، خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی، بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا۔ دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی، حضرت علیؑ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہؓ کی طرف کچھ اموی تھے۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہوگئی تو ان کی خیر نہیں، اس لئے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شبخون مارا۔ گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر یہ دوسرے فریق نے دھوکہ دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ قلب فوج میں ان کا ہودج تھا، محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہؓ و زبیر کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگ جمل

دوران جنگ میں حضرت علیؑ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا ”ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؑ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی ہاں یا رسول اللہ! یاد کرو، اس وقت تم سے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔“ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں اب مجھے بھی یاد آیا ہے (۱)۔ یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے فرمایا، جان پدر! علیؑ نے ایسی بات یاد دلا دی کہ تمام جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا تم بھی میرا ساتھ دو، لیکن حضرت عبداللہؓ

نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا راہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان ابن حکم کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت طلحہؓ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا، زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ اب میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے۔ جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ ام المومنین زہر پوش ہو وچ میں بیٹھی تھیں، نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل، از و اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار کو حیرت تھی، عبداللہ بن زبیر اونٹ کی کیلیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی، مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا (۱)۔ بصرہ کا شہسوار عمرو بن بحرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا اور ابن بحرہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

یا امنا خیر ام نعلم	والام تغذو ولدھا وترحم
اے ہماری بہترین اور ماں بچوں کو	کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے
الاترین کم جواد لکم	وتختلی مامتہ والمعصم
کیا تو نہیں دیکھتی کتنے گھوڑے زخمی کئے جاتے ہیں	اور انکی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے

آخر کار حضرت علیؓ کی فوج کے مشہور شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے ردل بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر مڑھیر ہو گئے۔ اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اسے پشت نہیں پھیری اور یہ رجز انکی زبان پر تھا:

الموت احلی عندنا من العسل	نحن بنو ضبہ اصحاب الجمل
موت ہمارا نزدیک شہد سے زیادہ شیرین ہے	ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں
نحن بنو الموت نزل	ننعی ابن عفان باطراف الاسل
ہم موت کے بیٹے ہیں جب موت اترے	ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں
	سے پھیلا رہے ہیں

ردوا علینا شیخنا ثم بحل
ہمارے سردار کو ہم کو واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں

حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خونریزی رُک نہیں سکتی، اسلئے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علیؑ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؑ کے ساتھی تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دن تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل اپنے صاحبزادوں کو مشاعت کے لئے بھیجا۔

حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری ہاہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علیؑ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترمہ اور ہماری ماں ہیں، انکی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ غرض پہلی رجب ۳۶ھ سنچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دو شنبہ کے روز داخل شہر ہوئے۔ اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا لیکن زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لئے بس ہے۔ چنانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاء و پرہیزگاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی۔

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؑ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہات بیان کئے ہیں مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی ﷺ کی جو توہین ہوئی اس نے علیؑ مرتضیٰؑ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔ ایک

وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے طرفداری اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؑ نے مدینہ کو سیاسی شرفیت سے بچانے کے لئے عراق کو دار الحکومت بنایا تھا، لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا، اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؑ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لئے مضر ثابت ہوا۔

بہر حال حضرت علیؑ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم و نسق قائم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، دہستان پر ربیع بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا۔ جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسنؑ سے نکاح کر دیں، اس نے کہہ دیا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ موصل اور شام کے متصل علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور روقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا۔ اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک رکھا۔

صلح کی دعوت

اگرچہ حضرت علیؑ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمام حجت کے لئے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں رؤسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا پھر بانگ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا:

تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کی اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمانؓ کی

شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔ ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔

امیر معاویہؓ ہمیں بائیس برس سے شام کے والی تھے۔ اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی، جس کے حصول کے لئے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا۔ نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی۔ حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال، امیر معاویہؓ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لئے ان کے دست و بازو بن گئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علیؓ کے طرفدار تھے، آپ سے دلبرداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن عمرؓ جنہوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا، حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اکابر شام کی پہلے سے ہی انی کوتائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، سارے شام میں پھیلایا۔ ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لئے خطیب مقرر کیئے۔ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خود آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی (۱)۔

ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا۔ ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے۔ دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد رنج کے طور پر گزارش کی کہ اگر عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، فضل و کمال کے لحاظ سے

آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔ جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا۔ ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بانگ بلند کہا، ”ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں“۔ ابو مسلم نے مستعجب ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ باہم سازش اختیار کر لی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آ جائیں اور حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی۔ عمرو بن العاصؓ کو علیؓ نے لکھا کہ ”دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو“۔ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گوجنگِ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی، اس لئے مصالحت اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا۔ تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رخ کیا۔

معرکہ صفین

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحدِ شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالدعور سلمیٰ نے مقدمہٴ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا۔ علوی فوج کے افسر زیاد بن النفر اور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں اشتر نخعی کمک لے کر پہنچ گئے۔ ابوالدعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے اس لئے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹالیا اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی۔ انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جمادیئے۔ گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلمیٰ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لئے کشمکش

ابوالدعور نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزرگھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ پہلے چند آدمی تمام حجت کے لئے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا۔ ابوالدعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی، لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا۔

آخر کار شامی دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا۔ اب جو دقت امیر المؤمنین کی فوجوں کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہ کو پیش آئی لیکن جناب مرتضیٰ کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی (۱)۔ چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لئے بشیر بن عمرو بن محسن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ دونوں طرف علماء فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی۔ اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی۔ اس اثناء میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے۔ لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الآخر کے شروع میں جنگ چھڑ گئی۔

آغاز جنگ

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فرد گاہ پر واپس جاتی تھی۔ فوج کی کمان حضرت علیؑ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث ربعی، خالد بن المعمرہ، زیاد بن النضر، زیاد بن حصقہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے۔ یہ سلسلہ جمادی الآخری کی تاریخوں تک جاری رہا لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، شہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں طرف سے جنگ رُک گئی۔ اس التواء سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی:

حضرت ابوالدرداءؓ: تم علیؑ سے لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہؓ: میں عثمانؓ کے خونِ ناحق کے لئے لڑتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداءؓ: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کی شرائط سے مطلع کیا۔ اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ ”ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں“۔ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳ھ تک طرفین سے سکون رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا۔ آغاز سفر سے پھر از سر نو جنگ شروع ہو گئی اور اس قدر خونریزی لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لئے ابھارا۔ تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حیدر کرارؓ خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔ آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

اضربہم ولا یری معاویہ الجاحظ العین العظیم الحاویہ
 قریب پہنچ کر پکار کر کہا ”معاویہ! خلق خدا کا خون گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں“۔

اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا:

عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہؓ: خوب کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

عمرو بن العاصؓ: جو کچھ ہو، تاہم مقابلے کے لئے نکلنا چاہئے۔

امیر معاویہؓ: تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر کے میرے منصب پر قبضہ کرو۔

امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ خود شیر خدا کے مقابلے کے لئے نکلے۔ دیر تک

دونوں میں تیغ و سنان کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت

بچنا ناممکن تھا۔ عمرو بن العاصؓ اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے۔

فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی۔ چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے۔ صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرۂ ارض تھر رہا تھا، اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی۔ حضرت علیؑ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا ”جاننا زو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قلعی فیصلہ نہ ہو جائے۔“

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت تک نہایت جاننا بازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا، لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے۔ اشعث ابن قیس نے اعلانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا۔ رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے۔ اس طرح ایران دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے۔ تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرہ پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے جناب مرتضیٰؑ کو لکھا ”اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے۔ بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہئے، ہم لوگ بنی عبدمناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لئے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے۔ لیکن اب حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علیؑ الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آراء ہوئے۔ لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یا علیؑ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو

پانچ آدمی بلند کئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا۔ حضرت علیؑ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیتِ عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن اوس، میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا ”گروہ عرب! خدا رو میوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔“ اسی طرح ابوالد عور سلمیٰ اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور بانگِ بلند کہا: ”اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔“ اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور سے حملہ کر دیا۔ لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دامِ تزویر سے بچنا چاہئے۔ کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن العمر نے بھی امیر المؤمنین کی تائید کی اور کہا کہ ہم پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی، لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں، لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لئے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہئے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی بلکہ خود جناب امیرؑ کا مقابلہ کریں گی۔ معمر بن فدی، زید بن حصین، سنی اور ابن الکواء اس جماعت کو سرگروہ تھے، اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کی ”امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں۔ لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہئے۔“ غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبور اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا۔ اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے اس لئے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن مذکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنہوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے لیکن جناب امیرؑ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت و گذشت کر دیا۔

التوائے جنگ کے بعد دونوں طریق میں خط و کتاب شروع ہوئی اور طرفین کے علماء فضلاء کا اجتماع ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا۔ اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام لیا۔ حضرت علیؑ نے اس

سے اختلاف کیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا۔ لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ اور آپ تو ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہئے۔ اس لئے جناب امیرؓ نے دوسرا نام اشتر نخعیؓ کا لیا۔ اشعث بن قیس نے برا فروختہ ہو کر کہا ”جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے۔ اس وقت تک ہم اس کی رائے پر عمل کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے کہ اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔“ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ اشعریؓ کے علاوہ اور کسی پر رضا مند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا: ”جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل و عقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لئے مجتمع ہوئے۔ کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ”بذا ما قاضی علیہ امیر المؤمنین“، امیر معاویہؓ تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن اخف ابن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا۔ فدائے رسول ﷺ نے کہا: خدا کی قسم! یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ (ذوقعدہ ۶ھ) میں ”رسول اللہ“ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لئے جس طرح حضور انور ﷺ نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں۔ غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربراہ آرمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا۔ معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے:

علیؓ، معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضا مندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ قرآن پاک اور سنت نبوی کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہوگا۔ اس لئے دونوں حکم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی ﷺ کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں، حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی۔ ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرہویں صفر ۳ھ چہار شنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس

معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے۔ وہ سب کو سنا تے ہوئے جب غزہ کے فرودگاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارے گئے۔ اسی طرح قبیلہ مراد اور بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ بنو تمیم کے ایک شخص غزوہ بن اودیہ نے اشعث سے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہاں جائیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا، بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی۔ محزر بن حننہ نے عرض کی، امیر المؤمنین! اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام بُرا نہ ہو۔ غرض ایک معتد بہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا بالاتفاق حکمین کے لئے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شرح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت سعد وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ جو اپنے ورع و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لئے دومۃ الجندل میں آئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اعلانیہ پیشین گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا۔ بہر حال دونوں حکم حسب قرار داد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی۔ تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے۔ اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

ابو موسیٰ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰ: عبداللہ بن عمروؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے، ان کو منصب

خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے؟

عمر و ابن العاصؓ: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟

ابوموسیٰ: معاویہؓ نہ تو اس منصبِ جلیل کے لئے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروقِ اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمر و ابن العاصؓ: میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی، فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ: بیشک تمہارا لڑکا صاحبِ فضل و منقبت ہے لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن طیب عبد اللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے۔ بس آؤ انہی کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیں۔

عمر و ابن العاصؓ: ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ: عمرو! تمہارا برا ہو، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمر و ابن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمر و ابن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورہ بالا قرارداد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبد اللہ ابن عباسؓ

نے ابوموسیٰ کے پاس جا کر کہا: ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی

رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت غدار ہے، کیا عجب ہے

کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے۔“ ابوموسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں

کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا۔ حضرت

ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں۔ انہوں نے عرض

کی: ”میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا۔ آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں، غرض ہر حیثیت سے

ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ پر عمرو بن العاص کا جادو چل گیا۔ چنانچہ آپ بغیر کسی پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا ”صاحبو! ہم نے علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا۔ وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔“ ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر مشبر پر سے اترے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا ”صاحبو! علیؑ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے۔ اس خلاف بیان سے ششدر رہ گئے۔ چلا کر کہنے لگے: ”یہ کیا عداوتی ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لا دو جب بھی بانپتا ہے اور چھوڑ تو بھی بانپتا ہے انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر چار پائے بروکتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے۔ مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ عمرو بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا۔ اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا، لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت و گذشت کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ کو اس قدر رندامت ہوئی کہ اسی وقت مکر وانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔“

خوارج کی سرکشی

پہلے گذر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؑ کے اعوان و انصار میں سے معتدیہ جماعت نے ناپسند کیا تھا۔ چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر حر دار میں اقامت اختیار کی۔ حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوفہ لے آئے۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطر داری کے لئے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے۔ حضرت علیؑ کے کان میں اس کی بھنگ پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا، پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔ حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے لاکھم الا اللہ یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آ کر نہایت بلند آہنگی سے کہا:

اے محمد! تم اور تمہارے قبل انبیاء پر یہ وحی
بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں
دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب
اعمال بے کار ہو جائیں گے اور تم خسارہ
اٹھانے والوں میں ہو گے۔

وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَالِي الدِّينِ
مِنْ قَبْلِكَ لَنْ أَسْرَكَتَ
لِيَحْبُطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ
الْخَاسِرِينَ
(زمر-۶۵)

حضرت علیؑ نے برجستہ جواب دیا:

تو صبر کر، خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ
یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا
يَسْتَخْفَنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ

(روم-۶)

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی۔ دومۃ الجندل کی
تخلیک کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبد اللہ
بن وہب الراہی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ
کے لوگ موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔
خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ پھر ان دونوں
حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے
والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے۔ چنانچہ انہوں نے
عبد اللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ اسی طرح ام سنان اور صیداویہ
کو مشق ستم بنایا اور جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا موت کے گھاٹ اتار دیا۔
حضرت علیؑ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لئے
بھیجا۔ خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

جناب مرتضیٰؑ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے لیکن جب
خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی
تنبیہ کے لئے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔

معرکہ نہروان

نہروان پہنچ کر حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا
کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو
خارجیوں کے ایک سردار ابن الکوہا کر بلا کر خود ہر طرح سمجھایا، لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے
تھے، اس لئے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے اور جناب امیرؑ نے مجبور ہو کر فوج کو

تیساری کا حکم دیا۔ میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شیش بن ربیع، پیادہ پر حضرت ابو قتادہ انصاری اور سواروں پر حضرت ابو ایوبؓ کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرار سے جنگ آزمائی ہونے میں پس و پیش تھا، اس لئے جب لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً (۵۰۰) پانچ سو آدمیوں نے الگ ہو کر ہندنجین کی راہ لی، ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبد اللہ بن وہب الراسی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے، لیکن یہ سب منتخب اور جانناز تھے اس لئے انہوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؑ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی ادنیٰ کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ اسی طرح خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا ”الذاکبر! خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا۔“ جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن اشعث بن قیس نے کہا ”امیر المؤمنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواریں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہئے۔“ جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیساری کا حکم دیا۔ لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کوفہ کھسنے لگے، یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؑ نے یہ رنگ دیکھا تو سر دست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

مصر کے لئے کشمکش

پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کئے تھے۔ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی تھی۔ انہوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیر کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی صرف قصبہ خربتہ کے لوگوں کو تامل ہوا اور انہوں نے کہا جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے بیعت کے لئے اصرار نہ کیا جائے۔ البتہ والی مصر کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن و سکون

کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قیس بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انہوں نے اس بھڑکے چہتے کو چھیڑنا خلاف مصلحت سمجھا اور انہیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی۔ اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خربتاً مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہ کو خوف ہوا کہ اگر وہ دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا اس لئے انہوں نے قیس بن سعد کو خط لکھ کر اپنا طرف دار بنانا چاہا۔ قیس بن سعد نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا۔ امیر معاویہ غور اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو، مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس! تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے۔ قیس بن سعد نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمہاری اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

حضرت قیس بن سعد نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے۔ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے۔ امیر معاویہ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انہوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی تدبیر کی ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد میرے طرفدار ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت میں پہنچی، محمد بن ابی بکر وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خربتاً کو بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔

جناب امیر نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیس بن سعد کو خربتاً والوں سے بیعت کے لئے لڑنے کا حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خربتاً تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے اس میں بسر بن ارطاة، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں، ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں ہے جب دربار خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر والی مصر مقرر ہوئے۔ یہ کمسن نا تجربہ کار تھے، ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے خربتاً والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادہ پر خاش کر دیا۔ حضرت علیؑ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں۔ لیکن امیر معاویہ نے راستے میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کر دیا اور عمر بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر روانہ کی۔ محمد بن ابی بکر کے لئے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کر کے وہ اس جانبازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہ بن خدیج رئیس خربتاً کی مدد طلب کرنی پڑی۔ لیکن

اس دوران امیر معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ کر پیچھے سے گھیر لیا اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈر میں پناہ لی لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس افسوسناک طریقہ پر ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت علیؓ اپنی مجبور یوں کے باعث محمد بن ابی بکرؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اسی سال یعنی ۳۸ھ میں امیر معاویہؓ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰؓ کی اطلاع سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لئے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا۔ عبداللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا۔ عین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیر نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی۔ امیر المؤمنین کے ترجم نے عفو عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال

جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک خارجی خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نو مسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن حصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو جب رامہ مز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی۔ ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریق عمل

جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ حکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق و اختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے

مخصوص ہمدموں اور جانثاروں کے عزم و ارادے بھی پست ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے۔ جناب امیرؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا۔ پر جوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایتِ حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگِ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شیعانِ علیؓ کے دل ایسے پڑ مردہ ہو گئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغہ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا۔ امیر معاویہؓ اس حقیقتِ حال سے ناواقف نہ تھے۔ انہوں نے شیعانِ علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا اور ۳۹ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضیٰؓ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں۔ چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبد اللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے یمامہ پر، ضحاک بن قیس نے وافضہ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعانِ علیؓ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردنِ اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا

حیدر کرارؓ کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالکِ مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رُعمی پیدا ہو گئی۔ کرمان و فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیئے اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ لوگوں نے عرض کی، زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لئے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اس لئے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے۔ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے شیروانی طرزِ حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی

جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرے کو بڑھا سکتے۔ تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا (۱)۔ اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد کوکن پر حملہ کیا (۲)۔

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لئے کشمکش

امیر معاویہؓ نے ۳۰ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ارطاة کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اُس نے بغیر کسی مزاحمت و جنگ کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لئے بیعت لی۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباسؓ کو بسر بن ابی ارطاة کے حملہ کی اطلاع کر دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکوم تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے۔ عبید اللہ بن عباسؓ نے اپنے کو اس مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبد اللہ بن عبد المدا ان کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لئے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ابی ارطاة نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن بچوں اور شیعان علیؓ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر ترکتاز شروع کر دی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاة کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پر جوش خطبے دے کر لوگوں کو حد و عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا، اور یہ تقریریں ایسی مؤثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہو گئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی، لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف سو آدمی رہ گئے۔ جناب مرتضیٰؓ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا۔ حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی، امیر المؤمنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ عام منادی کرادیں کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا اور جو اس میں تسانل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اب صورت حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا اور معتقل کو رساتین بھیجا کہ وہاں

سے جس قدر بھی سپاہی مل سکیں جمع کر کے لے آئیں۔ لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن جحیم کی زیر آلودگوار نے جام شہادت پلا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

اس جانگداز واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؑ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ عبدالرحمن بن جحیم نے کہا کہ میں علیؑ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑہ اٹھایا۔ اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر ابن جحیم کے ارادہ کو قطعاً نامی ایک خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰؑ کے خون کا مہر قرار دیا۔

غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتناقی طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا۔ عمرو بن العاصؓ اس دن امامت کے لئے نہیں آئے تھے۔ ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکہ میں مارا گیا۔ جناب مرتضیٰؑ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن جحیم کو جو مسجد میں آ کر سوراہا تھا، جگایا۔ جب آپ نے نماز شروع کی اور سر سجدہ میں اور دل راز و نیاز الہی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی ابن جحیم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا، سر پر زخم آیا اور ابن جحیم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا (۱)۔ حضرت علیؑ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لئے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کئے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی۔ جناب بن عبداللہ نے عرض کی امیر المؤمنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ اس کے بعد مختلف وصیتیں کی، قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا (۲)۔

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لئے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی ۲۰، رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسنؑ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کیں اور عزی، نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

کارنامے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا اور اس بیخ سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا۔ اس لئے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہو گیا۔ ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی۔ لیکن ان گوں ناگوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے لیکن ان کارناموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق، اختلاف اور شرفساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؑ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

خلافت مرتضوی پر ایک نظر

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبہ غمیض و غضب کو مشتعل کر دیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکہ ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؑ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے:

۱۔ حضرت علیؑ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

۲۔ اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

۳۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بناء قرار پائے، اس لئے غور کرنا چاہئے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰؓ کس حد تک اس میں معذور تھے۔

پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد و قاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتداء ہو۔ چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور دوسرے وابستگانِ خلافت نے جب اپنے گوجاں ثناری کے لئے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لئے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا، چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ ام المؤمنین، ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا، تو مفسدین نے ان کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب و دانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے (۱)۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا۔ اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید (۲)۔

البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ اشخاص ہیں جنہوں نے براہ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا حضرت علیؓ کا فرض تھا، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا۔ اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جاسکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی، اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے جن کا مطمع نظر صرف طلب اصلاح تھا، ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہ کے خراج انتظام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے لیکن حضرت علیؑ اس میں مجبور تھے۔ اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے۔

شیعہ عثمانی، یعنی عثمانی فرقہ جو اعلانیہ جناب امیرؑ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

دوسرا گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؑ کو برحق سمجھتا تھا، لیکن اپنے ورع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت علیؑ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرام سے چلنے کے لئے کہا تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی۔ حضرت سعد و قاص نے کہا، ”مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لئے حاضر ہوں۔“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لئے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لئے مجبور نہ کیجئے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پٹک ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے عرض کی امیر المؤمنین! مجھے معاف کیجئے، میں نے عہد کیا کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا۔ غرض یہ گروہ عملی امانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔

تیسرا گروہ شیعان علیؑ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے۔ اس لئے جناب امیرؑ خواجواہ بے رُخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصد اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ اول کے صاحبزادے اور آغوشِ حیدر کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح نیک سیرت اور جاں نثارتابعی تھے۔

غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ جناب مرتضیٰؑ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکا یک دنیائے اسلام میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰؑ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق پریشاں

کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام کے سرشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیائے اسلام نہایت پر آشوب تھی لیکن دونوں حالتوں میں بین فرق ہے۔ صدیق اکبر کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا، لیکن یہ کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا، اس لئے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے۔ کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا و ہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لئے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا، اس کے برخلاف جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں آنحضرت ﷺ کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہ، آپ کے پھوپھی زاد اور ہم زلف و حواری رسول حضرت زبیر بن العوام، متبشر بالجنۃ صحابی اور غزوہ احد کے ہیرو جن کا آنحضرت کی حفاظت میں سارا بدن چھپانی ہو گیا تھا اور اس صلہ میں انہیں بارگاہِ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا، جیسے اکابر امت تھے۔ ان کے علاوہ امیر معاویہ والی شام جیسے مدبر تھے۔ جنہیں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا اور عمرو بن العاص فاح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرِ حق سمجھتا تھا۔ ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار و فاشعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعانِ علیؑ میں کم تھیں اس لئے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا عہدہ برا ہونا بہت دشوار تھا۔

حضرت علیؑ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد و اتقاء، دینداری، امانت، عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک طرف امیر معاویہ اپنے طرفداروں کے لئے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے دوسری طرف حضرت علیؑ ایک ایک خر مہرہ کا حساب لیتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت علیؑ کے طرفدار اور ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے لیکن بہر حال حق، حق ہے اور باطل باطل، باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ اگر حضرت علیؑ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے۔ ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا، اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبد اللہ بن سبا کے

پیروؤں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں۔ پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سہائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؑ کو انسان سے بالاتر ہستی بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، لیکن جو بقاء پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا۔ اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ واقعہً جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔

دوسری جماعت قرآن اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی، معنی اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا۔ چنانچہ واقعہً حکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حضرت علیؑ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جاں نثار و وفا شعار تھے لیکن معرکہ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد درمقصد تک پہنچ کر غنیمت کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جاں نثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دیئے تھے۔ غرض ان تمام مشکلوں اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا۔ اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے لیکن دین ضائع ہو جاتا، جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا معرکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم و نسق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلا وطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجابت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؑ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے (۱)۔

عمال کی نگرانی

ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت علیؑ نے اس کا

① کتاب الخراج قاضی ابو یوسف و مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الغزوات

خاص اہتمام مد نظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے (۱)۔ وقتاً فوقتاً اعمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب کعب بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:

اخرج فی طائفۃ من
اصحابک حتی تمر بارض
السواد کورۃ فتسالہم عن
عمالہم وتنظر فی سیرتہم (۲)

تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ
ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر اعمال
کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر
ڈالو۔

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بد عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سولونڈی اور غلام خرید کر آزاد کئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؑ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا، مصقلہ نے کہا خدا کی قسم! عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضہ کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیر کو معلوم ہوا تو فرمایا:

برحہ اللہ فعل فعل السید وفر
فرار العبد وخان خیانة الفاجر
اما واللہ لو انہ اقام فعجز ما زدنا
علی حبس فان وجدنا له شیئاً
اخذناہ وان لم نقدر علی مال
پاس کچھ ہو تو تولیتا ورنہ معاف کر دیتا۔

ترکناہ (۳)

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ و اقارب بھی مستثنی نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش فرار رقم لی۔ حضرت علیؑ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے (۴)۔

صیغہ محاصل

حضرت علیؑ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں۔ آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملنے کے ضمن میں داخل کیا گیا۔ چنانچہ برص کے جنگل پر چار ہزار درہم مال گذاری تشخیص کی گئی (۵)۔

- ① کتاب الخراج ص ۷۹
② کتاب الخراج ص ۶۷
③ طبری ص ۳۳۱
④ ایضاً ص ۳۵۳
⑤ کتاب الخراج ص ۵۰

عہد نبوی ﷺ میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی۔ حضرت علیؑ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا اس لئے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کر دی (۱)۔ گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خیال رکھا تھا۔ چنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی (۲)۔

رعایا کے ساتھ شفقت

حضرت علیؑ کا وجود رعایت کے لئے سایہ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غریب اور مساکین کے لئے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علیؑ نے ہمیشہ نہایت رحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے، خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

فوجی انتظامات

حضرت علیؑ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی۔ اس لئے اس سلسلے میں آپ نے بہت سے انتظامات کئے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے نہایت مستحکم قلعے بنوائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا (۳)۔ جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت، تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؑ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے۔ چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی لپٹی کی کوشش سے پھیلی تھی، سورہ برآۃ نازل ہوئی تو اسکی تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی انہی کے سپرد ہوئی۔

مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینیا میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے، حضرت علیؑ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدتِ غلو میں جناب مرتضیٰؑ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علیؑ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا۔ مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں۔ جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں۔ مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کر دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ، لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت علیؑ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے۔ زندہ جلادینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی (۱)۔ شراب نوشی کی میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؑ نے اس کے لئے اسی کوڑے تجویز کئے (۲)۔

درے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں۔ عورتوں کیلئے حکم تھا کہ ان کو ہٹھا کر سزا دیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عفو بے ستر نہ ہونے پائے۔ اسی طرح رجم کی صورت میں ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہئے (۳)۔ اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی امیر المؤمنین! میں نے چوری کی ہے۔ حضرت علیؑ نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا۔ لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (۴)۔

تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لئے اقدام بغیر جرم کئے ہوئے مجرم بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا۔ حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی (۵)۔

دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا۔ اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو

① ترمذی حدود مرتد ② کتاب الخراج ص ۹۹ اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود

③ کتاب الخراج ص ۹۷ ④ ایضاً ص ۱۰۳ ⑤ ایضاً ص ۱۰۴

تو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا ہے (۱)۔

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرنے کے لئے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تا کہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔
عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا سے دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کئے جاتے تھے، وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا (۲)۔

تعزیری سزا

حضرت علیؑ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں۔
حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی سزائیں جاری کی تھیں۔ چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کے بجائے سو کوڑے لگوائے۔ کیونکہ اُس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

فضل و کمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ مسند میں خود اُن سے روایت سے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا (۱) اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا (۲)۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو، بار اس قسم کا موقع ملتا تھا (۳)۔ اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے ”مسح علی الخفین“ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لئے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے (۴)۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں بارگاہ رسالت میں جناب امیر کے اس تقرب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کر کے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں، اس کی تشریح یہ کی ہے:

”عبدضعیف گوید سب اس معنی اجتماع دو جہت است، در مرتضیٰ یکے رسوخ اور سوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت او با حضرت ﷺ و آن جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام او صل ناس بارحام و اعرف ناس بحقوق قرابت بودند باز چوں عنایت الہی مساعدت نمود۔ حضرت مرتضیٰ را در کنار تربیت آنحضرت ﷺ انداخت مرتبہ قرابت در بالاشد و کرامت دیگر در کار او کرد در رضی اللہ عنہ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عقد او دادند مزید فضیلت بادیار شد۔“ (۵)

آپ کے تقرب و اختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ ﷺ آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے (۶) بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے (۷)۔ چند مخصوص حدیثیں بھی قلمبند

- ① کتاب الخراج ص ۸۵ ② ایضاً ص ۸۰ ③ مسند جلد اول ص ۱۲۶
 ④ ازالۃ الخفاء ج اول ص ۸۳ ⑤ ایضاً ج ۲ ص ۶۶۰ ⑥ مسند ج ۱ ص ۸۳ ⑦ ایضاً ص ۸۵

کر لی تھیں (۱)۔ غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدا ہی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی اس لئے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال کے مالک اور 'وانا مدینة العلم وعلی بابہا' (میں علم کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے (۲)۔ نوشت اور خواندگی کی تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جبکہ آپ کی عمر بہت کم تھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے (۳)۔ اسی لئے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت ﷺ کے تحریری کام انجام دیتے تھے، چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے جو مکاتیب و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے، حضرت علی مرتضیٰ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ میں تھے جنہوں نے آنحضرت کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے واقف تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہے کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی (۴)۔ چنانچہ حضرت علی کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباس کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مددگار روایتوں پر ہے۔ مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیت کی تفسیریں منقول ہیں۔ ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان الحکم الا للہ، تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب

① مسند ج ۹ ص ۷۹ ② جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰ میں ہے 'انا دار الحکمة وعلی بابہا' لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے۔ حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۴۹۲ اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ③ فتوح البلدان بلاذری ص ۷۷ ④ ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۱۰۱

اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے وَ اِنْ حَفَّتُمْ بِسِقَاقِ بَيْنَهُمَا فَانْعَمُوا حَكْمًا مِنْ اَهْلِهِ وَ حَكْمًا مِنْ اَهْلِهَا۔ اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا جائز ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے (۱)۔

علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا، انکو درس و وعظ سے روک دیتے تھے۔ چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کوناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اسکو زجر و تیغ فرماتے تھے اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔ آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اسی لئے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو ان طاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں۔ ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اُگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں ہے لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے (۲)، ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں۔ اس موقع میں حضرت علیؓ نے جو قسم کھائی ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے، یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے۔ یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم سے اتنا بڑا غنیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے، تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں، معنی و مطالب نکلتے ہیں۔

علم حدیث

جناب مرتضیٰؓ نے بچپن سے لے کر وفات نبویؐ تک کامل تیس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت و رفاقت میں بسر کیئے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبویؐ کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے، پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفات نبویؐ کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی۔

ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا اس لئے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ اسی لئے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور تشدد تھے۔ اس لئے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور ۹ حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں۔ غرض، صحیحین میں آپ کی کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت ﷺ کے علاوہ اپنے رفقاء اور معصروں میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے روایتیں کی ہیں۔ آپ کی عترت مطہرہ اور اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ (صاحبزادے اور صاحبزادیاں) محمد بن عمر بن علی، علی بن حسین بن علی (پوتے) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزومی (بھانجے) امام اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، بشر بن شیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ، صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمرو بن حریثؓ، نزال بن سمرہؓ، ہلالؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابو حنیفہؓ، ابوامامہؓ، ابولیلیٰ انصاریؓ، ابو موسیٰؓ، مسعود بن حکم زرقیؓ، ابوالطفیلؓ، عامر بن وائلؓ، عبید اللہ بن ابی رافعؓ (کاتب) اور ام موسیٰؓ (جاریہ)۔

تابعین میں زر بن حبیش، زید بن وہب، ابوالاسود دؤلی، حارث بن سوید التمیمی، حارث بن عبداللہ الاعور، حرمہ مولیٰ بن زیدؓ، ابوسامان ہفین بن منذر الرقاشی، جحیہ بن عبداللہ الکندی، ربیع بن حرا بوش، شرح بن ہانی، شرح بن النعمان الصائدی، ابووائل شقیقی بن سلمہ، شیث بن ربیع، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمیرہ، عامر بن شراحیل الشعمی، عبداللہ بن سلمہ مرادی، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن معقل بن مقرب، عبید خیر بن یزید المرانی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلیمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمیر بن سعید النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان، مروان بن حکم اموی، مطرف بن عبداللہ ابن شخیر، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی، یزید بن شریک النخعی، ابورودہ بن ابی الموسیٰ الاشعری، ابو حنیہ دادعی، ابوالخلیل الحضرمی، ابوصالح الحضرمی، ابوصالح النخعی، ابو عبید الرحمن السلمی، ابو عبیدہ مولیٰ ابن ازہر، ابوالہیاج الاسدی (۱) وغیرہ نے آپ سے فیض پایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علیؑ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کی حلیہ اقدس، آپ کی نماز و مناجات و دعا و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؑ ہی سے مروی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبوی میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا (۱)۔

احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علی مرتضیٰؑ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گزری ہے، اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت ﷺ سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا۔ اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں (۲)۔

فقہہ واجتہاد

حضرت علی مرتضیٰؑ کو فقہہ واجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی بلکہ علم و اطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ مانتی پڑے گی۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت علیؑ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔ فقہہ واجتہاد کے لئے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی، انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت علیؑ مرتضیٰؑ کو یہ کمالات خدا حاصل تھے۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حد و شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آ گئے (۳)۔

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا۔ لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے۔ انہوں نے کہا حالت احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے

① ازالۃ الخفاء ص ۲۵۵ ② صحیح بخاری کتاب العلم باب کتاب العلم ج ۲ کتاب الاعتصام و مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۰۹ ③ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰

اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سے جا کر دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔ حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی، اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا جس میں کسی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کئے تھے تو آپ نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور ان کے رفقاء نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا (۱)۔

ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جا کر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ مرتضیٰ کے پاس گیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک (۲)۔

حضرت علیؓ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثی مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ مرد ہے یا عورت (۳)۔ فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعت نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت ﷺ سے دریافت کرتے تھے بعض ایسے مسائل جو شرم و حیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے، اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے۔ چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ اپنے علم و کمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے

① مسند امام ابی عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل ج ۱ ص ۵۵۰ فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہر حال حضرت علیؓ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے اس لئے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا۔

② مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۹۶ و ج ۶ ص ۵۵ ③ تاریخ الخلفاء سیوسی بحوالہ سنن سعد بن منصور و مسند پیشم

تھے۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے اس لئے اب جائز نہیں ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ بہر حال میں جائز سمجھتے تھے۔ اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گزرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا۔ اس لئے آپ کے مسائل و اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی اسی بنا پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علیؓ مرتضیٰ کے ہی فیصلوں پر ہے۔

قضا اور فیصلے

حضرت مرتضیٰ ان ہی خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لئے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اقضانا علی و اقرانا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں (۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں (۲)۔

آنحضرت کی جو ہر شناس نگاہ نے حضرت علیؓ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؓ کو "اقضاهم علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت ﷺ نے وہاں کے عہدہ قضا کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلے میں تذبذب نہ ہوا (۳)۔

آنحضرت ﷺ نے آپ کو قضا اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ

① طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۲ ② مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

③ مسند ابن خنبل ج اول ص ۸۳ و حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو (۱)۔

مقدمات میں علم یقین کے لئے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضا میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا۔ آپ نے اُس سے پے در پے متعدد سوالات کئے۔ جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا (۲)۔ اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے۔ آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا، اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیئے۔ آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا (۳)۔

یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا۔ یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پرانی باتیں بھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے۔ نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا۔ اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔ ہر ایک نے اُس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے۔ پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوادئے۔ گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا (۴)۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لئے ایک کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا۔ چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ اس کنویں میں گرا۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی۔ تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا۔ غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثاء باہم آمادہ جنگ ہوئے۔ حضرت علیؑ نے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں فتنہ و فساد مناسب نہیں۔ میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربار رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خوں بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک

② ایضاً ص ۱۴۰

① مسند ابن جنبل ج اول ص ۹۶، ۱۴۳

④ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

③ تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

پوری، ایک، ایک تہائی، ایک، ایک چوتھائی، اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خوں بہا، دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔

لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالتِ نبویؐ میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا (۱)۔

روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لئے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان ہیں۔ غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے، اس لئے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا۔ اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا۔ چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا اس لئے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی۔ اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا، باقی دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔

اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی، اس لئے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا۔ پہلا شخص گوا اتفاقاً گرا، مگر ایک دوسرے کے دھکیلنے کے نتیجے کو بھی اس میں دخل تھا اس لئے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا اس لئے وہ خوں بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی۔ پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا، مگر غایب بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجے کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے۔ اس لئے وہ تہائی کا مستحق ہوا۔ دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجے کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لئے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا اس لئے اس کو نصف دلایا گیا۔ تیسرے نے چوتھے کو کھینچا حالانکہ وہ سب سے دور تھا اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لئے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا۔ نیز یہ کہ اس نے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا اس لئے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ (واللہ اعلم)

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا۔ دو شخص (غالباً مسافر) تھے

ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آ گیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا، جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو اس کی تین درہم روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہئیں۔ اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کئے جائیں تو ۹ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم اپنے ۹ ٹکڑوں اور اس کے ۱۵ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس ۸ آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم نے اپنے ۹ ٹکڑوں میں سے ۸ خود کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے ۱۵ ٹکڑوں میں سے ۸ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے۔ اس لئے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے (۱)۔ کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو، اس کے سہا یہ کو سو کوڑے مارو (۲)۔

حضرت علیؑ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس لئے ان میں تحریف بھی ہونے لگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس کے ایک حصہ کو انہوں نے جعلی بتلایا اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؑ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے (۳)۔

علم اسرار و حکم
دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے درگروہ ہیں ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بناء پر ہر شرعی

① صحیح الخلفاء، سیوطی، بروایت روان، ص ۱۰۰ ② ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ③ مقدمہ صحیح مسلم

حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسرا اگر وہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جزئی مصلحتیں رکھی ہیں، ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا مذاق علم پہلی قسم کا اور حضرت علی مرتضیٰ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لئے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لئے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما يعرفون
اتحبون ان يكذب الله
ورسوله (كتاب العلم)
لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہوں، کیا تم
یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا
جائے۔

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی کوتاہی عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے، اس لئے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہئے کہ ہر مصالح الہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آسکتے ہیں۔

احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کو متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں۔ مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا:

اذا حدثتم عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم بحديث
فطنوا به الذی هو اهدى
والذی هو اتقى والذی
هو اهتأ (ص ۱۳۰)

جب تم سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ قرین ہدایت، زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہوں۔

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، لیکن یہ مسح نیچے تلوؤں پر نہیں بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

لو كان الدين دالم لكان

تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے لیکن آنحضرت ﷺ نے موزوں کی پشت پا پر مسح فرمایا۔

باطن المقدمین احق بالمسح
من ظاهرهما وقد مسح النبي
صلى الله عليه وسلم على
اظهر خفيه (باب كيف المسح)

حضرت علی مرتضیٰ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و غبار کے ڈور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلووں پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت ﷺ نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا، اس لئے احکام الہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل و رائے کو دخل نہیں ہے۔

یہی روایت مسند بن ضبیل (جلد اول ص ۱۱۴) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی ظاہر قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

تصوف

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اسرار، شریعت پر عبور نہ تھا بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لئے یہ موزوں نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے عدم عمل کے لئے حیلہ سازی اور فلسفیانہ بہانہ جوئی پیدا ہوتی ہے۔ خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لئے ان ہی کے لئے یہ علم موزوں ہے۔ چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصان امت کا حصہ ہے حضرت علیؑ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کئے ہیں۔

تصوف کے اکثر سلسلے سیزہ مرتضویؑ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”اصول اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰؑ ہیں“۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت مدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا، مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی (۱)۔

محدثین کے اصول روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؑ کے یہ صوفیانہ اقوال پایہ صحت کو نہیں پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصریؑ پر جا کر تمام ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضیٰؑ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت حسن بصریؑ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انہوں نے بلا واسطہ حضرت علیؑ سے کچھ سنا بھی ہے۔ بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا اور ان کے دیدار سے مشرف

تھے، اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۴، ۱۵ برس کی تھی۔

تقریر و خطابت

تقریر و خطابت میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا اور مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجموعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ تقریریں نہایت خطیبانہ مدلل، اور موثر ہوتی تھیں۔ ۳۹ھ میں جب امیر معاویہؓ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لئے جو خطبہ دیا تھا، اس سے زور تقریر اور حسن خطابت کا اندازہ ہوگا۔

حمد و نعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا، خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے، اور رسوائی کو شامل حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے، میں نے تم کو شب و روز اعلانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ ہو تو خدا کی قسم! تلوار سے اور بھی بھاگو گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے نہیں بھاگتے بلکہ تلوار سے جان چراتے ہو، اے مرد نہیں، بلکہ مرد کی تصویر اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو، خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دے کر) اپنی رحمت نصیب کرے کر میں حملہ کروں، کوئی قوم جس پر اس

اما بعد فان الجهاد باب من ابواب الجنة من تركه البسه الله الزلة وشمله بالصغار وسيم الخسف وسيل الضيم واني قد دعوتكم الى الجهاد وهؤلاء القوم ليلاً ونهاراً وسراً وجهاراً وقلت لكم اعزوهم قبل ان يغزوكم فما غزى قوم في عقر دارهم الا ذلوا واجتئروا عليهم عدو لهم هذا اخو بنی عامر قد ورد الانبار وقتل ابن حسان البكري وازال مسالحكم عن مواضعها وقتل رجالاً منكم صالحين وقد بلغني انهم كانوا يدخلون بيت المرأة المسلمة والاخرى المعاهدة فينزعهن حجلها من دجلها وقلائدها من عنقها يا عجبها من امر يميت القلوب ويحتلب النعم ويسعر

کے گھر میں آ کر حملہ کیا جائے وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے اس کا دشمن اس پر جبری ہوتا ہے، دیکھو کہ عامری نے انبار میں آ کر ابن حسان بکری کو قتل کر دیا۔ تمہارے مورچوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا، تمہاری فوج کے چند نیکو کار بہادروں کو قتل کر ڈالا اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسے اور ان کے پاؤں سے ان کے پازیب، ان کے گلے سے ان کے ہاراتار لئے، ایک قوم کا باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے برگشتہ ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا ہے اور غم ورنج کو بڑھاتا ہے، تمہارے لئے دوری و ہلاکت ہو تم نشاندہ بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے لیکن تم خود تیر نہیں چلا سکتے تم پر غارت گرمی کی جاتی ہے، لیکن تم غارت گرمی نہیں کرتے، خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو، جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سرما میں فوج کشی کرو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے تب، حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے، پس تم گرمی سردی سے بھاگتے میری تمنائیں تھی کہ تم سے جان پہچان نہ ہوتی، خدا کی قسم! تم نے میرا سینہ غیظ و

الآخران من اجتماع القوم
 علی باطلہم وتفرقکم عن
 حقکم فبعد انکم وسحقاً
 قد مرتم عرضاً ترمون ولا
 ترمون ویغار علیکم ولا
 تغیرون ویعصی اللہ
 فترضون اذا قلت لکم
 سیروا فی الشتاء قلت لکم
 نغزو فی هذا القرو الصروان
 قلت لکم سیروا فی
 الصیف قلت لکم حتی ینصوم
 عنا حرارة القیظ وکل هذا
 فرار من الموت فاذا کنتم
 من الحرور انقرو تفرور فانتم
 واللہ من السیف افروا الذی
 نفسی بیدہ ما من ذلک
 تهربون ولکن من السیف
 تحیدون یا اشباہ الرجال
 ولا الرجال ویا احلام
 اطفال وعقول ربات
 الحجل اما واللہ لو دوت
 ان اللہ اخرجنی من بین
 اظہرکم وقبضتی الی
 رحمۃ من بینکم وودرت
 انی الم اذکم ولم اعرفکم
 واللہ ملائم صدري غیظاً

و جرعتھونی الامرین انفاساً
و افسدتم علی رانی
بالعصیان و الخذلان۔
غضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے وہ
تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان و
نافرمانی کر کے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔

آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پڑ مردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دے دیا
تھا تاہم اس پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لئے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے
پر جوش صداؤں نے لبیک کہا۔

شریف رضی نے حضرت علیؑ کے تمام خطبوں کو ”سبع البلاغۃ“ کے نام سے چار جلدوں میں جمع
کر دیا ہے اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور
لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنا دیا۔ لیکن سبع البلاغۃ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر
ہے، کیونکہ ان میں ایسے اصلاحات و خیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ
کے بعد سے عربی میں رائج ہوئے ہیں اور ان میں حضرت علیؑ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں جن
کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔
شاعری

جناب مرتضیٰؑ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو، چار احادیث صحیحہ
میں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً آپ کو وہ رجزیہ شعر جو معرکہ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرة
کلیث غابات کر یہ المنظرۃ
لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں، بلکہ ایک پورا
دیوان دیوان علیؑ کے نام سے موجود ہے جس کو افسوس ہے کہ طلباء اور علماء نہایت شوق سے پڑھتے
پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے
چہ جائیکہ الفصح الفصحی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت
فاطمہؑ ہر اکے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کئے ہیں۔

علم نحو کی ایجاد

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؑ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو
قرآن شریف غلط پڑھتے سنا۔ اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے
اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابوالاسود دہلی کو چند کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور
کیا (۱)۔ اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

اخلاق و عادات اور ذاتی حالات

حضرت علی مرتضیٰ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات ﷺ کے دامنِ عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لئے وہ قدرتاً محاسنِ اخلاق اور حسنِ تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاسکتا (۱)۔

الہنت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے ابتداء ہی سے امین تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی (۲)۔

① ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؑ نے شراب پی اور اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۃ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کچھ سے کچھ پڑھ دی اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی، گو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا، تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دامن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا۔ اسی لئے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا اخیر راوی گو پہلے علوی تھا مگر آخر میں حضرت علیؑ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا۔ اس لئے حضرت علیؑ کی شان میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ اب حاکم کی مستدرک چھپ چکی ہے، اس کی روایت سے اصلی واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا۔ عثمانی راوی نے خود حضرت علی مرتضیٰ کا نام رکھ دیا۔ حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس روایت سے حضرت علیؑ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا۔

اپنے عہدِ خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ امام حسنؓ، امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی۔ جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی (۱)۔ مالِ غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی ہمیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔ ایک دفعہ اصنفہان سے مال آیا، اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے (۲)۔

زُہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے کاشانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا درگزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لئے بس ہے۔ بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور شہنشاہِ اقلیم زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ اس نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز و سامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا۔ چکی پیتے پیتے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گئے پڑ گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا۔ معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ شدتِ گرنگی میں کاشانہ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کمالائیں۔ عوالی (۳) مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے۔ خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے۔ اسکے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں، لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی۔ بکنہہ لئے ہوئے بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے

② ایضاً ابو عمر ص ۲۶۶

① ازالہ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ

③ مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا۔

تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا (۱)۔

ایامِ خلافت میں بھی زُہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے؟ فرمایا: ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل کو کھالائے اور دوسرا خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے (۲)۔

درِ دولت پر کوئی حاجب نہ تھا نہ دربان، نہ امیر نہ کروفر، شاہانہ تزک و احتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زرو جو اہر اُگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ”میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا۔“ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: ”امیر المؤمنین! میں تہہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔“

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہِ دو عالم ﷺ کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی۔ ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں۔ حضرت سرور کائنات ﷺ موجود نہ تھے اس لئے واپس آ کر سو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہ کی اطلاع پر آنحضرت ﷺ خود تشریف لائے اور فرمایا، ”کیا تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جو ایک خادم سے نہیں زیادہ تمہارے لئے مفید ہو؟“ اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی (۳)۔

عبادات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے۔ کلام پاک کی اس آیت:

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ
اَشِدَّاءُ عَلٰى الْكُفٰرِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ
ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحمدل ہیں، تم
ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ
کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضا مندی
کی جستجو کرتے ہیں۔

① مسند ابن جنبل ص ۱۳۰

② مسند احمد ج ۱ ص ۷۸

③ بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے ابو بکر صدیق، اَشْدَاءُ عَلٰی الْكُفَّارِ سے عمر بن الخطاب رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ سے عثمان بن عفان، رُكْعًا سُجَّدًا سے حضرت علی ابن ابی طالب اور يَتَسَعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہ مراد ہیں (۱)۔ اس سے عبادات میں تمام صحابہ پر حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود تمام صحابہ کا مشترک وصف تھا۔ پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

کان ما علمت صواما قواما
جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے (۲)۔

زیر بن سعید قریشی کہتے ہیں:

لم ارهاشميا قط كان اعبد
میں نے کسی ہاشم کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو (۳)۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے اور حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید، اور ۳۳ بار تکبیر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔ ابن کواء نے کہا کہ ”صفین کی شب میں بھی نہیں؟“ فرمایا، ”صفین کی شب میں بھی نہیں“ (۴)۔

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؑ کو دنیاوی دولت سے تہی دامت تھے، لیکن دل غنی تھا، کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا، حتیٰ کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھورے سے جو مزدوری میں حاصل کئے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ٹلٹ پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ اب پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی۔ حضرت علیؑ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ٹلٹ کے پکنے کا انتظار کیا، لیکن تیار ہوا کہ

① تفسیر فتح البیان ج ۹ ② ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہ

③ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۸ ④ مسند ابن فضال ج ۱ ص ۱۰۷ او ابوداؤد کتاب الادب

ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا۔ غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بیچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مردِ خدات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا۔ خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں **وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا** (الایۃ) کی آیت نازل ہوئی (۱)۔
تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علیؑ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپؑ کبھی جوتا ٹانگتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ انہیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی اور جسم انور گردو غبار کے اندر کنڈن کی طرح دمک رہا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: اجلس یا ابائے اب (۲) مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبان نبویؐ کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؑ کی اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایامِ خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنچے اور معمولی کپڑے کہ تہہ بند باندھتے۔ بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے (۳)۔

شجاعت

شجاعت و بسالت حضرت علیؑ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپؑ کا حریف نہ تھا۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائی۔ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر پیش آیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کا عنفوانِ شباب تھا، لیکن اس عمر میں آپؑ نے جنگِ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی دادِ شجاعت دی کہ آپؑ اس کے ہیرو قرار پائے۔

آغازِ جنگ میں آپؑ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارث آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہؑ اور حضرت علیؑ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ غزوہ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علیؑ مرتضیٰ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری

کہ سر کے دو ٹکڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرط مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔

غزوہ خندق میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ نے رسول اللہ سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی خداوند! تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو۔ اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی۔

غزوہ خیبر کا معرکہ حضرت علیؑ ہی کی شجاعت سے سر ہوا۔ جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول ﷺ اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلے میں آیا۔ اس کے جواب میں حضرت علی مرتضیٰ رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا۔ خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی۔ لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہر موقع پر ممتاز رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی شامل تھے۔ آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعۃً تیروں کا بیہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ ”بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے۔“ حضرت علی مرتضیٰ اس میدان کے مرد تھے، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا۔ لیکن بایں ہمہ انہوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی

نہ اٹھانی پڑے۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں، لیکن جب ایک ضعی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے طرفدار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا۔ حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی۔ حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے لیکن ان پناہ گزین دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگِ جمل میں جو لوگ شریکِ جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور جنگِ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابنِ جرموز ان کا مقتول سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ”فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو“۔ پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ ”فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہرنبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے“ (۱)۔

جنگِ جمل کے میدان میں جب آپ فریقِ مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے، تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے۔ جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمدؓ کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا ”اے قریش کا شکرہ!“۔

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابنِ ملجم ہو سکتا تھا، لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، مثلہ نہ کرنا۔ یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا۔ ابنِ سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا، میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑ لوں گا (۲)۔ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟

اصابت رائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کئے جاتے تھے۔ واقعہً افک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ غزوہ طائف میں آپ ﷺ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر شک ہونے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ ابو بکرؓ و عمرؓ دونوں کے مشیر تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے مہاجرین و انصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا:

لولا علی لہلک عمر
اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا

اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے۔ معرکہ نہادند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بے حد مشوش کر دیا، تو انہوں نے مسجد نبوی میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی۔ حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المؤمنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام و یمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ تشریف لے جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں نہیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی، اسلئے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام و یمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ٹلٹ ادھر روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لئے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں سے ملتا ہے۔ احادیث کی

کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے فرمایا:

ما اجد فیہا الا ما قال علی
میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو
علی نے کیا۔

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

الحمد لله الذي جعل فينا
الحكمة اهل البيت (۱)
اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو
حکمت سکھائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہاں مناسب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں مثلاً شجاعت،
قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی
میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک
ایک مقام پیدا ہوا۔

ریاض النضرہ میں ہے کہ:

جب وہ راہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکے ہوئے چلتے تھے، اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو
وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تقریباً فریبہ اندام تھے، ان کی کلا نیلیاں اور ان کے ہاتھ
مضبوط تھے اور دل کے مضبوط تھے، جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے،
بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت کیا تو مقام
محبت ان کے لئے ایک مسلمہ چیز بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے، فرمایا
کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا
رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ بالآخر آپ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جس فیض ربانی نے

ان کے سواقی اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت:

هَذَا نِجْمَانِ اِخْتَصَمُوا
ان دونوں فریق نے باہم مخالفت کی۔

ان کی اور ان کے رفقاء کی شان میں نازل ہوئی۔ امام بخاری نے حضرت علی بن ابی طالب سے

روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کے لئے دوزانو بیٹھے گا۔ قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت:

هَذَا نِ حَصْمَانِ اِخْتَصَمُوا فِی رِبِّهِمْ
ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخاصمت کی۔

ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہؓ، علیؓ، عبیدہ بن الحارثؓ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی، وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارت میں اپنی خواہش سے بھی باز نہیں آتے تھے، فیض ربانی نے ان کے ان اخلاق سے نبی عن المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا۔ حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے: لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا "لوگو! علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم! خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے"۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خدا کی ذات کے معاملہ میں علی سخت ہیں"۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی (آنحضرت ﷺ) کی حمیت تھی، وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے۔ یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے۔ جب فیض ربانی نے اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح و تفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جس کی تعبیر انہوت رسول، موالات رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچیرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم سے کون میرا ولی ہوگا؟ لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوئے۔ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے (۱):

اَفَايْنُ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اِنْقَلَبْتُمْ
اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تو کیا تم اگلے
علیٰ اَعْقَابِكُمْ
پاؤں پھر جاؤ گے۔

① مستدرک کی روایت اور ازالۃ الخفا کی روایت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس ترجمہ میں اصل مستدرک کی

خدا کی قسم! جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیریں گے۔ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوایا آپ ﷺ شہید ہو گئے تو جس چیز کے لئے آپ ﷺ جنگ کرتے تھے، ہم بھی اس کے لئے لڑیں گے، یہاں تک کہ مرجائیں۔ خدا کی قسم! میں آپ ﷺ کا بھائی ہوں، آپ ﷺ کا ولی ہوں، آپ ﷺ کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ ﷺ کے علم کا وارث ہوں۔ ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ کا حق دار کون ہے۔ اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہوگئی۔ ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لئے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لئے اخوت نسبتی شرط ہے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک زہد اور شہواتِ نفسانی سے اجتناب ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو، انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! اس سے مجھے معاف فرمائیے۔ معاویہؓ نے اصرار کیا۔ ضرار بولے۔ اگر اصرار ہے تو سنئے۔ ”وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت نکلتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناک کی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی بیعت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف نا امید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزہ آدمی کی طرف رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے، تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے، یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ! زادِ راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے، راستہ وحشت خیز ہے۔“

یہ سن کر امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا کہ خدا ابوالحسن پر رحم کرے، خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے، ان کی صاحبزادی حضرت

ام کلثوم سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آجاتے تھے اور حسن و حسین ان میں سے کوئی لیموں لے کر کھانے لگتے تو وہ اس کو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ابو عمرو سے روایت ہے کہ وہ نے کی تقسیم میں حضرت ابو بکرؓ کا طریقہ اختیار کرتے تھے، یعنی جب ان کے پاس آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں صرف اس قدر باقی رہ جاتا تھا جس کی تقسیم اس روز نہ کر سکتے تھے اور فرماتے اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے، اور خود اس سے اپنے لئے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا عزیز کی تخصیص کرتے تھے۔ حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے:

قد جاء تکم موعظة من ربکم	تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب
فاوفوا الکیل والمیزان	سے نصیحت آچکی ہے تو ناپ جو کچھ کر
بالقسط ولا تبخسوا الناس	انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی
اشعاء هم ولا تعثو فی الارض	چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ
مفسدین بقیة الله خیر لکم ان	پھیلادو، خدا کا ثواب تمہارے لئے بہتر
کنتم مومنین وما انا علیکم	ہے، اگر تم ایماندار ہو اور میں تمہارا نگران
بحفیظ	نہیں ہوں۔

جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں جو تمہارے ہاتھوں سے لے لئے، پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

مجمع السخی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اس کو حضرت علیؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دے دی جائے اور اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔

حضرت کلیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انہوں نے اس کے سات حصے کئے۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا۔ پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اس کو اپنے لئے گوارا کر لیتے تھے۔ خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے

بچھانے کے لئے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی۔ ضمیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ نے ان سے حضرت فاطمہ کا نکاح کیا تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا، جس میں کھجور کی پیتاں بھری ہوئی تھیں۔ ایک چکی، ایک مشک اور دو گھڑے دیئے۔ ایک دن حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس لونڈی غلام آئے ہیں، آپ سے ایک خادم کی درخواست کرو۔ انہوں نے کہا کہ آنا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، بیٹی کسی غرض سے آئی ہو؟ بولیں سلام کرنے، لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی۔ دوبارہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہ نے کہا کہ آنا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے۔ ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو۔ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں۔ میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا۔ یہ جواب پا کر دونوں لوٹ آئے۔ ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؑ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں۔ یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ کے تشریف لانے پر دونوں اٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے جس چیز کو تم مجھ سے مانگ سکتے ہو؟ دونوں نے کہا، ہاں! فرمایا: مجھ کو جبرئیل نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے نماز دس بار تسبیح اور دس برتحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو اس لئے تم دونوں دونوں سوتے وقت ۳۳ بار تحمید اور ۳۳ بار تکبیر کہہ لیا کرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے، اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا۔ ابن کواء نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھے سخت بھوک لگی، کھانے کو کچھ نہ تھا اس لئے عوالی میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی، جس نے ڈھیلے اکٹھے کئے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگونا چاہتی ہے۔ چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت

طے کی اور ۱۶ ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا (۱)۔

خانگی زندگی

حضرت علیؑ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؑ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے، اس سے پہلے آپ آنحضرت کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے کسب معاش کے لئے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؑ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا۔ حضرت حمزہؑ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا۔ حضرت علیؑ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ (۲) تھے۔ آخر زرہ بیچ کر سامان کیا۔ اس زرہ کی قیمت بھی روپیہ سوار روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد جب علیحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی۔ چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی اس لئے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا۔ محنت مزدوری اور جہاد کے مال غنیمت پر گزر اوقات تھی۔ خیبر فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لئے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفالت روزینہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے (۳)۔ اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تمول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؑ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن

① ازالة الخفاء کا خلاصہ ختم ہوا۔ ② ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس

③ مسند ابن جنبل ج ۱ ص ۱۵۹

آنحضرت ﷺ ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علیؑ بھی آئے۔ حضرت فاطمہؑ نے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؑ نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہؑ سے کہا اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؑ کو اس قدر غم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کا دل پڑ مردہ شگفتہ نہ ہوا۔ حضرت علیؑ بھی ان کی ولد ہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے۔ اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔ حضرت فاطمہؑ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے۔ دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنفیہؑ سے بھی نہایت محبت تھی۔ چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؑ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

غذا و لباس

حضرت علیؑ کے غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا۔ کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے۔ عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا۔ عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے العمامة يتجان العرب، یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں۔ کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے۔ تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی۔ کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائضِ خلافت ادا کرنے کے لئے کوزالے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے۔ غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ لوگوں نے اسکے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اسکی پیروی کریں۔ بائیں ہاتھ میں انگلی پہنچے تھے اور اس پر 'اللہ الملک' نقش تھا۔

حضرت علیؑ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے غزوہ خیبر میں اُن کے لئے دُعا فرمائی تھی اللہم اذهب عنه الحر والبرد یعنی اے اللہ! اس سے گرمی و سردی دور کر۔ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑا میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی (۱)۔

حلیہ

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا اس پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا۔ پیٹ بڑا اور نکلا ہوا۔ سر میں بال نہ تھے یا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لئے میں بالوں کا دشمن ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے۔ مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی۔ آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج و اولاد

سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ زہرا کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

① حضرت فاطمہؓ: رسول اللہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے ذکور میں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ اور

لڑکیوں میں زینبؓ کبریٰ اور ام کلثومؓ کبریٰ پیدا ہوئیں۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

② ام النبیین بنت حزام: ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔ ان میں سے عباس

کے علاوہ سب حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

③ لیلیٰ بنت مسعود: انہوں نے عبید اللہ اور ابو بکر کو یادگار چھوڑا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ

دونوں بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

④ اسماء بنت عمیس: ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

⑤ صہبایا ام حبیب بنت ربیعہ: یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ عمر نے نہایت

طویل عمر پائی تقریباً پچاس برس کے سن میں ینوع میں وفات پائی۔

⑥ امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت کی نو اسی تھیں، ان سے

محمد اوسط تولد ہوئے۔

⑦ خولہ بنت جعفر: محمد بن علی، جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے لطن سے پیدا

ہوئے تھے۔

⑧ ام سعید بن عروہ: ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

⑨ حمیاء بنت امراء القیس: ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد

ہوئیں:

ام ہانی	میسونہ	زینب صغریٰ	رملہ صغریٰ
ام کلثوم صغریٰ	فاطمہ	امامہ	خدیجہ ام الکرم
ام سلمہ	ام جعفر	جمانہ	نفیسہ

غرض حضرت علیؑ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسب

جاری رہا ان کے نام یہ ہیں:

① امام حسنؑ ② امام حسینؑ ③ محمد بن حنفیہؑ ④ عمرؑ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ